ناولٹ

مہوش افتخار

سنگِ پارس

طوبیٰ ضروری سامان خریدنے بازار جاتی ہے تو اس کی ملاقات دس سال بعد نوفل جاہ سے ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک بے حد خوب صورت لڑکی نگین ہوتی ہے۔ طوبیٰ گھر پہنچتی ہے تو دیکھتی ہے کہ عصمی پھپھو اور تائی جان بیٹھی ہوئی ہوتی ہیں۔ حسن مجتبیٰ کی جائداد کی وجہ سے طوبیٰ کے تایا جان اپنے بیٹے ضیا کی شادی طوبیٰ کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں اور حسن مجتبیٰ کے انکار کی وجہ سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

حسن مجتبیٰ ان سب کے سگے نہیں بلکہ واحد سوتیلے بھائی ہیں جنہیں ان کی والدہ مرحومہ نے اپنی یتیم بھتیجی ارجمند بیگم سے بیاہ دیا تھا۔ ان کی دو بیٹیاں طوبیٰ حسن اور ماہ نور حسن اور ایک بیٹا احمر حسن تھا۔ احمر کو اپنے باپ کے بزنس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ پڑھنے کے لیے باہر گیا تو وہیں شادی کر کے سیٹل ہو گیا۔

حسن مجتبیٰ دل کے عارضے میں مبتلا تھے لیکن وہ سرجری بیٹیوں کی وجہ سے نہیں کروا رہے تھے طوبیٰ ان کو راضی کرتی ہے اور وہ پشاور سے واپسی پر سرجری کروانے کا وعدہ کر لیتے ہیں۔

نوفل جاہ کا کراچی میں اپنے ایک دوست کے ساتھ بہت بڑے پیمانے پہ اسپتالوں میں استعمال ہونے والی مشینری کا بزنس تھا۔ وہ بزنس کے سلسلے میں ایک اسپتال موجود ہوتا ہے کہ اچانک کچھ زخمی لائے جاتے ہیں۔

ان زخمیوں میں حسن مجتبیٰ بھی ہوتے ہیں۔ پشاور کے لیے ایئرپورٹ جاتے ہوئے ان کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے اور ڈاکٹرز کی تمام تر کوششوں کے باوجود حسن صاحب اور ان کا ڈرائیور دونوں ہی دم توڑ جاتے ہیں۔ نوفل جاہ سب کچھ بھلا کے نہ صرف میت کے ساتھ ان کے گھر جاتا ہے بلکہ فون کر کے اپنے گھر والوں کو بھی پہنچنے کا کہتا ہے۔ وہاں جا کر نوفل کو ماضی یاد آ جاتا ہے۔

حسن مجتبیٰ اور منصور جاہ ایک دوسرے کے پرانے دوست ہوتے ہیں۔ منصور جاہ گورنمنٹ کے ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہوتے ہیں۔ حسن مجتبیٰ کو کاروبار میں پیسے کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ منصور جاہ کے ساتھ شراکت کر لیتے ہیں۔ دو خاندانوں کی آپس میں بہت دوستی ہوتی ہے۔ منصور جاہ کے دو بیٹے نوفل جاہ اور محب جاہ اور ایک بیٹی ضحیٰ ہوتی ہے۔ طوبیٰ من ہی من میں نوفل جاہ سے محبت کرنے لگتی ہے نوفل بھی اسے چاہتا ہے لیکن اظہار نہیں کرتا۔ منصور جاہ نے حسن مجتبیٰ کے مشورے پر ان کے گھر کے برابر پلاٹ پہ بنگلا تعمیر کروا لیتے ہیں۔ اور اپنی ساری جمع پونجی اس پر لگا دیتے ہیں۔ ان ہی دنوں اچانک منصور جاہ پر آفس میں اچانک فنڈز میں گھپلے کا جھوٹا الزام لگ جاتا ہے اور ان کو سسپینڈ کر دیا جاتا ہے۔ اس پریشانی میں حسن مجتبیٰ بجائے اپنے دوست کا ساتھ دینے کے ان سے اپنی بزنس پارٹنرشپ ختم کر دیتے ہیں۔ منصور جاہ اس صدمے کو جھیل نہیں پاتے اور ان کا انتقال ہو جاتا ہے۔ ان کے انتقال کے بعد حسن مجتبیٰ نوفل سے کہتے ہیں کہ منصور نے یہ شراکت خود ختم کی تھی اور ان کے دستخط بھی دکھا دیتے ہیں۔ نوفل پر اچانک بہت بڑی ذمہ داری آ جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

تیسری قسط

"نوفل بیٹا یہ کیسی ضد ہے؟ میں ایسے خالی ہاتھ بیٹی کو کیسے رخصت کر سکتی ہوں' لوگ کیا کہیں گے؟" ارحمند کے چہرے پہ پریشانی دیکھ کے نوفل ان کے قریب چلا آیا اور انہیں اپنے مضبوط بازو کے حلقے میں لے لیا۔

"ہم لوگوں کے خوف سے جب تک نکلیں گے نہیں نا اماں جان' تب تک ہم کسی بھی اچھے عمل کی داغ بیل نہیں ڈال سکیں گے۔" اس نے انہیں محبت سے اماں جان پکارا تو ارحمند کی نظریں حیرت سے اس کے چہرے پہ جم سی گئیں۔

"میں آپ کا داماد بعد میں اور بیٹا پہلے ہوں۔ آپ نے ساری زندگی مجھ میں اور احمر میں کوئی فرق نہیں کیا اور میں چاہوں گا کہ اب آپ بھی اس نئے رشتے کے تکلفات میں نہ پڑیں۔ بیٹے ماؤں سے کچھ لیتے ہوئے نہیں بلکہ انہیں دیتے ہوئے اچھے لگتے ہیں۔ رخصتی چاہے آج ہو یا کل' یہ بات طے ہے کہ طوبیٰ کو میری زندگی میں خالی ہاتھ ہی شامل ہونا ہے۔ اس لیے کم از کم اس مسئلے کو لے کر آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" رسان سے انہیں قائل کرتا وہ دھیرے سے مسکرایا تو ارحمند کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

پتا نہیں ان کی کون سی نیکی تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیٹی کے نصیب میں نوفل جاہ جیسا سلجھا ہوا شریک سفر لکھ دیا تھا۔

"تم نے مجھے اپنی اماں جان کا درجہ دے دیا ہے۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر اعزاز کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم یہ رخصتی چالیسویں کے بعد رکھ لیں؟"

"ایک بات کہوں' بہن۔" عالی کی والدہ نے شائستگی سے کہا تو ارحمند بیگم کے ساتھ سبھی ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"میں آپ کے دکھ کو سمجھ سکتی ہوں۔ بے شک آپ کا دکھ بہت بڑا ہے' لیکن نیکی کے کام میں تاخیر کو پسند نہیں کیا گیا۔ اور آپ تو یوں بھی بیٹی کی شادی جیسا بابرکت فریضہ انجام دے رہی ہیں۔ اس لیے اللہ کا نام لیں اور اس کار خیر کو پورا کریں۔ ولیمہ آپ لوگ بے شک چند ماہ بعد دھوم دھام سے رکھ لیں۔" وہ رسان سے گویا ہوئیں تو ارحمند دل سے قائل ہو گئیں۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" ان کی بات سے نوفل کے چہرے پہ اطمینان بھری مسکراہٹ بکھیر گئی۔

"لیکن ہم بچی کو رخصت کروا کے لے جائیں گے کہاں؟" صباحت کی فکر ان کی رضامندی کی دلیل تھی۔

"اس کی آپ بالکل فکر نہیں کریں آنٹی۔ میں نے سب کچھ ارینج کر رکھا ہے۔" عالی نے ایک شرارت بھری نظر نوفل پہ ڈالی تو وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ جھکا گیا۔

"اچھا! تو یہ تم دونوں کی ملی بھگت تھی۔" صباحت نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر عالی کا کان پکڑا تو وہ سٹپٹا گیا۔

"قسم سے میرا نہیں' آپ کے لاڈلے کا پلان تھا یہ۔ میں تو صرف دوستی نبھا رہا ہوں۔" اس کی دہائی پہ سبھی ہنس پڑے تھے۔

"اللہ پاک تم دونوں کے درمیان یونہی اتفاق رکھے۔" صباحت اس کی پشت تھپتھپاتی ارحمند کی طرف پلٹی تھیں۔

"ہاں بھئی ارحمند' اجازت ہے پھر؟"

"بالکل بھابھی آپ کی اپنی بیٹی ہے۔" وہ حوصلے سے مسکرائیں تو صباحت نے آگے بڑھ کے انہیں خود سے لگا لیا۔

☆ ☆ ☆

متحوش سی طوبیٰ اردگرد کا خیال کیے بغیر تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کیا کر رہی ہیں آپی؟" ماہ نور نے گھبرا کے مہمانوں کی طرف دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما۔

"م... میں نے رخصتی نہیں کروانی۔" وہ روہانسی سی بولی تو ماہ نور حیران پریشان سی بہن کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپی۔ آپ کا نکاح ہے۔"

"ایکسکیوزمی!" ماہ نور کے پیچھے ابھرنے والی آواز نے جہاں اس کی زبان کو بریک لگایا تھا' وہیں طوبیٰ بھی جیسے خود میں لوٹ آئی تھی۔ اس نے چونکتے ہوئے نظریں اٹھائی تھیں اور نوفل جاہ کی حسین محبت کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کے اس کا دل چاہا تھا کہ وہ چیخ چیخ کر اس شخص کی دھوکے بازی اپنی ماں سمیت سب پر واضح کردے۔ طوبیٰ کو اپنی طرف متوجہ پا کے نگین کے لبوں پہ اک کاٹ دار مسکراہٹ آٹھہری تھی۔

"مبارک ہو مس طوبیٰ حسن۔ میں حقیقتاً" بہت لیٹ ہو گئی۔ ہے نا؟" طوبیٰ کی آنکھوں میں دیکھتی وہ ذو معنی لہجے میں بولی تو صورت حال سے انجان ماہ نور اخلاقاً" مسکرادی۔

"ارے نہیں' آپ تو بالکل صحیح موقعے پہ پہنچی ہیں' آپی کی رخصتی بس ابھی ہونے والی ہے۔" اس کی بات پہ نگین نے زہر میں ڈوبی ایک نظر طوبیٰ کے چہرے پہ ڈالی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنے مقابل کھڑے اور اپنے مقابل آنے والے اس وجود کے پرخچے اڑا دے۔ جس نے اس کی بے خبری میں مانو اس کا دل ہی اس کے سینے سے نوچ نکالا تھا۔

ماہ نور نے ساکت کھڑی طوبیٰ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اسے صوفے پر بٹھایا تھا۔

"آپ بیٹھیں آپی' میں ابھی آتی ہوں۔" نگین کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کرتی وہ اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ اس کے منظر سے ہٹتے ہی نگین نے اپنے اندر امڈتے نفرت کے طوفان کا رخ طوبیٰ کی جانب موڑ دیا تھا۔

"اگر مجھے علم ہوتا کہ تم سی معمولی لڑکی میری محبت پہ شب خون مارنے کی جرات کرے گی تو یقین مانو میں اس بھیگتی شام میں ہی تمہاری ذات کو مٹی میں ملادیتی!" اس کی آواز میں سانپ کی پھنکار تھی۔ وہ پور پور نفرت میں ڈوبی نیلی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کی نفرت طوبیٰ کو گنگ کر گئی تھی۔ وہ سنسناتے ہوئے دماغ کے ساتھ اس کا انگارے کی طرح دہکتا ہوا چہرہ دیکھے گئی تھی۔

"مگر یاد رکھنا! نوفل جاہ میرا تھا۔ میرا ہے اور میرا ہی رہے گا۔ تم اس کی کوئی مجبوری تو ہو سکتی ہو لیکن اس کی محبت کبھی نہیں بن سکتیں۔ تم ہمارے درمیان کبھی نہیں آسکتیں۔ سمجھیں!" دانت پیستی وہ ایک جھٹکے سے پلٹی تھی لیکن سامنے سے نوفل کو اپنی فیملی اور دیگر احباب کے ساتھ لان میں داخل ہوتا دیکھ کے وہ اپنی جگہ پہ جم گئی تھی۔ ایک غبار تھا جو نگین کو اپنے اندر اٹھتا محسوس ہوا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ وہ اس شخص سمیت سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دے۔

تبھی مسکراتے ہوئے نوفل جاہ کی نظر سامنے کو اٹھی تھی اور طوبیٰ سے ذرا فاصلے پر نگین کو کھڑا دیکھ کے اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔ نظروں کے اس تصادم نے نگین کی آنکھوں میں شعلے سے بھر دیے تھے۔

عالی اور محب کے علاوہ ضحیٰ اور صباحت بھی اسے دیکھ چکی تھیں۔ اس کی یہاں موجودگی نے ان سب کو شاکڈ کر دیا تھا۔

"یہ یہاں تک کیسے پہنچ گئی؟" صباحت نے حیرت سے بیٹے کی طرف دیکھا۔ نوفل نے اک گہری سانس لی۔

"آپ لوگ چلیں' میں دیکھتا ہوں۔" وہ کہتا ہوا نگین کی جانب بڑھا تھا۔ اسے اپنی طرف آتا دیکھ کے نگین فاروق بھی دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی نوفل جاہ کے مقابل آکھڑی ہوئی تھی۔ طوبیٰ کی نظریں نا چاہتے ہوئے بھی ان دونوں پہ ٹھہر سی گئی تھیں۔

"تم نے تو مجھے اپنی شادی میں بلانے کی زحمت نہیں کی۔ مگر دیکھو میں خود ہی تمہاری اس ایمرجنسی شادی میں چلی آئی.... ایمرجنسی ہی نافذ تھی نا اس گھر میں 'بقول تمہارے'؟" لہجے میں طنز کی کاٹ لیے اس نے نوفل جاہ کو ہوٹل میں ہونے والی اس کی گفتگو کا حوالہ دیا تو نوفل نے ایک گہری نظر اس کے چہرے پہ ڈالی۔ وہ اس وقت جس جذباتی کیفیت سے گزر رہی تھی' نوفل کو اس کا بخوبی اندازہ تھا۔ جبھی اس نے خاموشی اختیار کیے رکھی تھی۔

"بہت برا کیا نوفل جاہ۔ بہت برا۔ ان دس سالوں میں کون سا ایسا لمحہ تھا جب میں نے اپنی محبت' اپنی ذات میں کوئی کمی تلاش نہیں کی۔ تمہاری بے اعتنائی کی وجہ میں ہمیشہ خود میں کھوجتی رہی' جبکہ کھوٹ تو تمہارے اندر تھا۔ تم اس دو ٹکے کی لڑکی کی محبت......"

"بس!" نوفل کے برداشت کی حد جواب دے گئی تھی۔ "میرے خیال میں تمہیں اب چلنا چاہیے۔" وہ ٹھنڈے اور قطعی لہجے میں بولا تو نگین کا چہرہ اہانت کے احساس سے سلگ اٹھا۔

"میں تو یہاں سے چلی ہی جاؤں گی۔ لیکن یہ عزت افزائی میں ہمیشہ یاد رکھوں گی مسٹر نوفل!" قہر برساتی نظروں سے اسے دیکھتی وہ تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ نوفل نے اک گہری سانس لیتے ہوئے اپنے تنے ہوئے اعصاب کو پرسکون کرنے کی کوشش کی تھی۔

نگین سے باخیر و عافیت گلو خلاصی پہ صباحت اور ضحیٰ نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ اس کی یہ خاموش پسپائی عالی اور محب کے لیے بھی کافی حیران کن تھی۔

مہمانوں میں رخصتی کی اطلاع نے خوش گوار سی ہلچل مچادی تھی۔ رجا' نادیہ' اسما تینوں کی خوشی دیدنی تھی۔

"نوفل بھائی نے تو آج مجنوں کو بھی مات دے دی ..... ہم سمجھ رہے تھے کہ وہ تمہارا روپ دیکھ کر کف افسوس ملیں گے۔ لیکن انہوں نے تو ساری بازی پلٹ دی۔"

"اور نہیں تو کیا۔ کس نے سوچا تھا کہ ہم رجا کی شادی سے پہلے طوبیٰ کی طوفانی شادی کے چاول کھائیں گے۔" اسما نے لقمہ دیا تو ضحیٰ اور ماہ نور بھی ہنس پڑیں۔

ان سب کی شوخیاں اور شرارتیں طوبیٰ کا دم الجھانے لگی تھیں۔ اس کی پریشان نظریں اپنی ماں کی منتظر تھیں۔ لیکن جب انہوں نے آکر اس کا یخ بستہ ہاتھ تھاما تو طوبیٰ کے لب کچھ کہنے کی کوشش میں محض کپکپا کے رہ گئے تھے۔

"میں صرف اتنا کہوں گی کہ میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔" اسے خود سے لگاتے ہوئے وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھیں اور طوبیٰ کا ہر احتجاج اپنی موت آپ مرگیا تھا۔

قرآن پاک کے سائے تلے وہ جس وقت نوفل جاہ کے برابر گاڑی میں بیٹھی تھی' آنسوؤں کی ایک دبیز چادر تھی جس نے سارا منظر دھندلا دیا تھا۔ اس کا دل اپنی بے بسی اور ساتھ بیٹھے شخص کی بے حسی پہ شدت سے ماتم کناں تھا۔

☆ ☆ ☆

کمرے کا دروازہ کھلنے پر خوشبوؤں کے جھونکے نے طوبیٰ کا استقبال کیا تھا۔ وہ گھبرا کے دہلیز پہ ہی رک گئی تھی۔

"چلو بیٹا۔" صباحت کے نرم لہجے پہ طوبیٰ نے نچلا لب دانتوں تلے دباتے ہوئے اپنی ہمت مجتمع کی تھی۔

کمرے میں پہنچ کے وہ ایک لمحے کے لیے مبہوت رہ گئی تھی۔ سرخ گلابوں اور موتیے کے پھولوں کی خوب صورت سجاوٹ کے درمیان جابجا جلتی موم بتیوں اور نیٹ کی مہین آرائش نے ماحول کو بے پناہ فسوں خیز بنادیا تھا۔ عالی نے ان کے لیے شہر کے بہترین ہوٹل میں کمرہ ارینج کروایا تھا۔

"اف کتنی خوب صورت ڈیکوریشن ہے!" صباحت کے باہر نکلتے ہی ضحیٰ کھل کے مسکراتے ہوئے اس کی طرف پلٹی تھی۔ "تمہیں روم پسند آیا؟"

"ضحیٰ میرا دل گھبرا رہا ہے۔" اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے وہ روکھے لہجے میں بولی تو ضحیٰ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"دل کیوں گھبرا رہا ہے؟ نوفل بھائی کوئی غیر تو نہیں۔" وہ اس کے پاس کاؤچ پہ آبیٹھی۔ "پتا ہے' مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ میرے بچپن کی دوست میری بھابھی بن چکی ہے۔ تم اس رشتے سے خوش ہونا؟"

"پتا نہیں۔" وہ دل گرفتگی سے بولی تو ضحیٰ کے چہرے پہ بھی اداسی پھیل گئی۔

"میں سمجھ سکتی ہوں۔ پہلے انکل کی اچانک موت

پھر احمر بھائی کا رویہ اور پھر یوں اچانک شادی۔ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا یونہی گم سم سا ہو جاتا۔" ضحیٰ نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ "لیکن تم دیکھنا کہ اللہ کے حکم سے نوفل بھائی تمہاری ہر تکلیف کا اپنی محبت سے مداوا کر دیں گے..... تم نہیں جانتی، لیکن وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں طوبیٰ۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتی ضحیٰ دھیرے سے مسکرائی تو وہ چونک کر اس کا چہرہ تکنے لگی۔

"یہ تم سے کس نے کہا؟"

"بھائی نے خود بتایا ہے یار۔" وہ شوخ سی بولی تو طوبیٰ کے لبوں پر اک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اگر ایسی بات ہے تو وہ کون تھی جو آج فنکشن میں چلی آئی تھی؟" طوبیٰ کے سوال پہ ضحیٰ دھک سے رہ گئی۔ یہ کیا کہہ رہی تھی؟ یقیناً" نگین نے ان سب کی غیر موجودگی میں کوئی نہ کوئی فتور ضرور پھیلایا تھا جو طوبیٰ یہ سوال کر رہی تھی۔

"اس نے کچھ کہا ہے تم سے؟" ضحیٰ کے لہجے میں بولتے اندیشے طوبیٰ کی مسکراہٹ گہری کر گئے۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ضحیٰ۔"

"دیکھو طوبیٰ۔ وہ لڑکی ایک نمبر کی مکار ہے۔ تم پلیز اس کی کسی بھی بات پہ آنکھیں بند کر کے یقین مت کرنا۔" تبھی دروازہ کھول کے صباحت اندر چلی آئی تھیں۔ ماں کے چہرے پہ نظر پڑتے ہی ضحیٰ خاموش ہو گئی تھی۔

"اچھا بیٹا ہم جا رہے ہیں۔" صباحت، طوبیٰ کے قریب چلی آئیں تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اللہ پاک میرے بچوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔" انہوں نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے خود سے لگایا تو طوبیٰ کی آنکھیں بھر آئیں۔ زندگی اب نجانے کس طور گزرنے والی تھی کجا کہ خوشی؟ دکھ سے سوچتے ہوئے اس نے اپنی پلکیں جھکا لی تھیں۔

ضحیٰ کمرے سے باہر آئی تو اس کی نظریں نوفل کی متلاشی تھیں۔ اسے عالی کے ساتھ باتیں کرتا دیکھ کے وہ تیز قدموں سے ان کی طرف چلی آئی تھی۔

"بھائی! مجھے لگتا ہے نگین نے طوبیٰ سے کچھ کہا ہے۔" اس کی بات پہ نوفل نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا۔

"تمہیں ایسا کیوں محسوس ہوا؟" جواباً" ضحیٰ نے مختصراً" ساری بات اسے کہہ سنائی۔

"مجھے پتا تھا یہ لڑکی کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلائے گی۔" ماں کے غصیلے لہجے پہ نوفل نے اک گہری سانس لی۔

"اوہو کچھ نہیں ہوتا۔ اس نے اگر کچھ کہا بھی ہوگا، تو تمہارا بھائی ہے نا۔ وہ خود ہی اگلے پچھلے سارے گلے دور کر لے گا۔" عالی قصداً" ہلکے پھلکے انداز سے بولا۔

"مگر بھائی....."

"فکر مت کرو ضحیٰ۔ اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو میں اس کی غلط فہمی دور کر دوں گا۔"

گھر والوں کو خیرباد کہہ کے نوفل اپنے کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ اس کے اس اچانک اقدام نے یقیناً" طوبیٰ کی کبیدگی کو کچھ اور بڑھا دیا تھا۔ لیکن اسے اپنی محبت پہ بھروسا تھا۔ وہ آج ہر ادھوری سچائی مکمل کرنے کا خواہاں تھا۔

وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس سے بے انتہا محبت کرتا ہے اور آج سے نہیں بلکہ تب سے کرتا ہے جب وہ محبت کے مفہوم سے آشنا بھی نہ تھی۔ اس نے اگر ماضی میں کوئی تلخ قدم اٹھایا تھا تو کسی بد دیانتی کے تحت نہیں بلکہ صرف اس لیے کہ وہ اس کی معصومیت کو اپنے حالات کی سختی کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہتا تھا۔ وہ اس کی ذات کو انتظار کی بھٹی میں نہیں جھونکنا چاہتا تھا اور بس۔

وہ طوبیٰ کے چہرے پہ اب اپنے نام کے رنگ دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ وہ اس کی ستارہ آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنا چاہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

دروازہ کھلنے کی آواز پہ آئینے کے سامنے کھڑی طوبیٰ نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تھا۔ نوفل کے چہرے پہ نگاہ

پڑتے ہی وہ رخ موڑ کے پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔

نوفل نے ایک محظوظ نگاہ اس کی پشت پہ ڈالی تھی۔ طوبیٰ کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی تھی کہ وہ جب بھی شدید ناراض ہوتی تھی خاموشی اختیار کرلیتی تھی۔

نوفل نے دروازہ بند کیا تھا۔ اور دھیرے دھیرے قدم اٹھانے لگا تھا۔ اسے لحظہ بہ لحظہ آئینے میں اپنی طرف بڑھتا دیکھ کے طوبیٰ کی ساری بے نیازی ہوا ہوگئی تھی۔ وہ دم سادھے اسے دیکھتی چلی گئی تھی' یہاں تک کہ وہ چلتا ہوا اس کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔ دونوں کی نگاہیں آئینے میں ایک دوسرے پہ جم کے رہ گئی تھیں۔ بلیک ٹوپیس میں نوفل بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ طوبیٰ کی دھڑکنوں میں ارتعاش سا برپا ہوا تھا۔ جبکہ نوفل اُسے اپنی پسند کے لباس میں مہکتا دیکھ کے پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا۔ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

"کیوں اپنا روپ خراب کررہی ہو؟ ابھی تو میں نے تمہیں جی بھر کے دیکھا بھی نہیں۔" وہ گمبھیر لہجے میں اس کے عکس سے مخاطب ہوا تو طوبیٰ کا دل دھڑک اٹھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس کے عارض رنگین ہوگئے تھے۔ نوفل نے اس قوس و قزح کو بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا۔ وہ نظریں چراتی اس کے پہلو سے نکل جانے کی خواہش میں جونہی آگے بڑھی تھی نوفل نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ فضا میں یک لخت چوڑیوں کی جھنکار بکھر گئی تھی۔

"میرا ہاتھ چھوڑدیں۔"

"یہ تم ہر وقت چھوڑنے چھڑانے کی باتیں کیوں کرتی رہتی ہو؟" نوفل نے شرارت سے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو طوبیٰ کی بھنویں تن گئیں۔ مگر وہ بولی۔ کچھ نہیں۔ اس کی خاموشی پہ نوفل دھیرے سے ہنس پڑا۔

"اچھا بابا غصہ تھوک دو۔ میں مانتا ہوں کہ میں نے تم سے چیٹنگ کی' اینڈ آئی ایم سوری فار دیٹ۔" اس کی بات طوبیٰ کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھیر گئی۔

"آپ دھوکے کے علاوہ اور دے بھی کیا سکتے ہیں۔" اس کے لہجے کی کاٹ نوفل جاہ کی آنکھوں کی چمک ماند کرگئی۔

"کیا ہم پھر سے دوست نہیں بن سکتے؟" وہ پھیکی سی مسکراہٹ لیے بولا تو طوبیٰ کے چہرے پہ استہزائیہ رنگ پھیل گیا۔

"ہم پہلے بھی کبھی دوست رہ چکے ہیں کیا؟"

"دیکھو طوبیٰ......"

"دیکھنے کی مجھے نہیں' آپ کو ضرورت ہے۔ میں نہیں جانتی کہ آپ کے کس ذاتی مفاد نے آپ کو' آپ کی دس سالہ بے نیازی تلف کرنے اور مجھ سے شادی پہ اکسایا ہے۔ لیکن میرا آپ سے کوئی مفاد وابستہ نہیں۔ آپ بھول سکتے ہیں جو کچھ آپ نے کہا اور کیا تھا۔ لیکن میں کچھ نہیں بھولی۔ نہ آپ کا مجھے دھتکارنا اور نہ دھکیل کے مجھے میری ہی نظروں سے گرانا۔ اس لیے میرے سامنے کم از کم محبت کا ڈرامہ رچانے کی ضرورت نہیں! آپ کی محبت وہی ہے جو آپ کے عشق میں مبتلا ہو کے آپ کے نکاح تک میں پہنچ گئی تھی۔"

"لیکن پھر بھی دیکھ لو' نکاح میرا اس سے نہیں تم ہی سے ہوا ہے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ شوخی سے بولا۔

"ہونہہ اور اسی بات کا آپ شاید فائدہ اٹھانا چاہ رہے ہیں۔" کاٹ دار تاثر چہرے پر سجائے اس نے نوفل جاہ کے ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ کی جانب اشارہ کیا تو اس تمام عرصے میں پہلی بار نوفل کے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

"فائدہ؟ شاید تم بھول رہی ہو کہ بیوی ہو تم میری...... حق رکھتا ہوں میں تم پر۔" نوفل کا لہجہ اچانک ٹھہر سا گیا تھا۔

"میری اجازت کے بغیر آپ مجھ پہ کوئی حق نہیں جتا سکتے۔" وہ دوبدو بولتی نوفل جاہ کے لبوں پہ مسخرانہ مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔ اس نے ایک طنزیہ نظر طوبیٰ کے چہرے پہ ڈالی تھی۔ اور اگلے ہی پل اپنے ہاتھ میں پکڑے طوبیٰ کے ہاتھ کو محض ایک جھٹکا دیا تھا۔ آن کی

آن میں وہ اس کے مضبوط بازوؤں میں تھی، بے یقینی کے مارے طوبیٰ کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"اب بتاؤ کس کی اجازت درکار ہے مجھے؟" اس کی بھوری آنکھوں میں جھانکتا وہ سرد لہجے میں بولا تو متوحش سی طوبیٰ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ اس کے بے حد قریب تھا، اتنا کہ طوبیٰ کی ہتھیلیاں پسیج گئی تھیں۔ اور زبان تالو سے جا لگی تھی۔ اس کی صبیح پیشانی پہ چمکتی بندیا اور گلابی لپ اسٹک سے سجے ہونٹوں کی لرزش نوفل جاہ کے ضبط کو آخری حد تک لے گئی تھی۔ لیکن وہ کمال حوصلے سے خود کو سنبھال گیا تھا۔ صرف اس لیے کہ وہ طوبیٰ حسن سے محبت کرتا تھا، اور جن سے محبت کی جاتی ہے انہیں. تکلیف اور نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔ لب بھینچے اس نے طوبیٰ کے وجود کو جھٹک دیا تھا۔

"اگر میں کوئی انا پرست اور مردانگی کے زعم میں ڈوبا انسان ہوتا تو اس وقت تمہاری ہر غلط فہمی چٹکیوں میں دور کر دیتا۔ مگر یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ میں ایسا نہیں!" تلخ نظروں سے اسے دیکھتا وہ تیز قدموں سے ڈریسنگ روم میں غائب ہو گیا تھا اور پیچھے کھڑی طوبیٰ اس کی ساحرانہ مہک اپنی سانسوں میں لیے کاؤچ پہ گر سی گئی تھی۔ نوفل جاہ کی قربت اس کے ہوش اڑا گئی تھی۔ وہ زندگی میں پہلی بار اس کے اتنے قریب تھی کہ درمیان میں بالشت بھر کا فاصلہ بھی نہ رہا تھا۔ یہ نزدیکیاں اسے پوری جان سے لرزا گئی تھیں۔ وہ زبان سے چاہے نفرت کے ہزاروں راگ کیوں نہ الاپتی رہتی مگر سچ تو یہی تھا نا کہ اس کا دل آج بھی اپنی زخم خوردہ محبت کو سینے سے لگائے بیٹھا تھا۔

اپنی کمزوری پہ اس کا دل بے اختیار بھر آیا تھا۔ وہ چہرے پہ ہاتھ رکھے بے آواز سسک اٹھی تھی۔

چند لمحوں بعد کمرے میں کھٹ پٹ کی آواز نے اسے سر اٹھانے پہ مجبور کر دیا تھا۔ نوفل کو نائٹ سوٹ میں دیکھ کے وہ لب کاٹتی سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ نوفل اسے نظر انداز کیے بیڈ کی جانب چلا آیا تھا۔ ایک تکیہ اٹھاتے ہوئے اس نے خوب صورت کشنز اور گلابوں کی سرخ پتیوں سے مہکتی چادر کو ایک جھٹکا دیا تھا اور چادر اپنی تمام تر سجاوٹ سمیت زمین بوس ہو گئی تھی۔

طوبیٰ نے سہم کر نوفل کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے تیور بری طرح اکھڑے ہوئے تھے۔ تکیہ بیڈ پہ پٹختے ہوئے وہ اس پہ نگاہ غلط ڈالے بنا سوئچ بورڈ کی جانب بڑھا تھا۔ اگلے ہی پل کمرہ ہر مصنوعی روشنی سے عاری صرف موم بتیوں کی ٹمٹماتی لوؤں سے جگمگا اٹھا تھا۔ مگر ماحول کی ساری فسوں خیزی کہیں غائب ہو گئی تھی۔

طوبیٰ نے ایک چور نظر نوفل جاہ پہ ڈالی تھی وہ اس کی موجودگی سے بے نیاز آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹ گیا تھا۔ مضمحل نگاہوں سے اسے تکتے ہوئے طوبیٰ نے اپنا سر کاؤچ کی پشت سے ٹکا دیا تھا۔ اردگرد جلتی شمعیں دھیرے دھیرے پگھلنے لگی تھیں۔ ان دونوں کے دل بھی شب ہجراں کے ساتھ جل کر خاک ہوتے رہے تھے۔ اور محبت دور بیٹھی انہیں اداس نظروں سے تکتی رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

نگین فاروق کے کمرے کا تنکا تنکا بکھرا ہوا تھا۔ نوفل اور اپنی یادگار تصویر سے لے کر چھوٹے بڑے تحفوں تک اس نے ہر چیز کے ٹکڑے اڑا دیے تھے۔ وہ پچھلے کچھ دنوں سے اپنی فیملی کے ساتھ اسلام آباد میں تھی اور یہی وہ وقت تھا جب قسمت نے اپنی چال چل دی تھی۔

اس کی سہیلی کا فون تب آیا تھا، جب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ وہ دیوانہ وار سب کو چھوڑ چھاڑ کے وہاں سے بھاگی تھی، لیکن وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا نوفل جاہ اپنی منزل کا انتخاب کر چکا تھا۔ اور وہ اپنی بارہ تیرہ سالہ محبت کا ماتم کرنے کو تنہا رہ گئی تھی۔

"نہیں بخشوں گی۔ میں تمہیں کبھی نہیں بخشوں گی نوفل جاہ!" چیخ چیخ کر روتے ہوئے وہ پاگلوں کی طرح چلائی تھی۔ "جس طرح تم نے میرا دل برباد کیا ہے اسی طرح میں تمہارا دل بھی اجاڑ دوں گی۔ میں

تمہارے گھر میں آگ لگا دوں گی۔ پرخچے اڑا دوں گی تمہاری محبت کے!" وحشت سے چیختے ہوئے اس کی گردن کی رگیں تن گئی تھیں۔ مگر گھر کی خالی چار دیواری میں اس کی آہ و بکا سننے والا کوئی نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

طوبیٰ نے ایک سہمی ہوئی نظر کالے بکرے پہ ڈالی تھی اور پھر ڈرتے ہوئے اس پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ صدقے کا یہ بکرا صباحت نے خاص ان دونوں کے لیے منگوایا تھا۔ جسے ان کے حسن ولا آتے ہی ذبح کروایا گیا تھا۔

صباحت اور ارجمند کی خوشی دیدنی تھی۔ طوبیٰ نے آج کتنے دنوں بعد اپنی ماں کے چہرے پہ مسکراہٹ اور بھرپور اطمینان دیکھا تھا۔ اور یہ سب اس ایک شخص کا اعجاز تھا جس کے ساتھ اس کا نام جڑ گیا تھا۔ ان دونوں کے ساتھ ایک دوسرے کے لیے کتنا لازم و ملزوم ہو چکا تھا اس حقیقت کا احساس طوبیٰ کو ان سب کے درمیان آ کے ہوا تھا' جہاں محض چند ہی گھنٹوں میں وہ ایک دوسرے کا حوالہ بن چکے تھے اور اس حوالے سے فرار اب کسی طور ممکن نہ تھا۔

"ضحیٰ! میری بیٹی کا گفٹ لاؤ۔" ناشتے کے بعد لاؤنج کی طرف آتے ہوئے صباحت نے ضحیٰ سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ چند لمحوں بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک مخملیں ڈبا تھا' جو اس نے لا کے صباحت کو دیا تھا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے ڈبا کھول کے طوبیٰ کے سامنے کیا تو اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اندر بے حد بھاری اور خوب صورت سیٹ تھا۔

"یہ میری طرف سے تمہارے لیے۔ اللہ پاک تمہارا قدم ہمارے گھر میں مبارک ٹھہرائے۔ سدا سہاگن رہو بیٹا!" اسے خود سے لگاتے ہوئے انہوں نے اس کی پیشانی چومی تو طوبیٰ کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی۔ سامنے بیٹھے نوفل نے بے تاثر نظروں سے اس کی نم پلکوں کو دیکھا تھا۔

صباحت کے بعد ضحیٰ اور محب نے بھی ڈھیروں شرارتوں کے درمیان اسے اپنے اپنے تحفے دیے تھے۔ ان سب کی اس درجہ محبت پہ طوبیٰ کا دل بے اختیار بھر آیا تھا۔ کاش کہ اس ساتھ میں نوفل کا دل بے سچی محبت کا یقین بھی شامل ہوتا تو وہ اس پل خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تصور کرتی۔ مگر شاید اس کی قسمت میں اپنے محبوب کی محبت تھی ہی نہیں۔ تبھی تو وہ آج اسے پا کر بھی تنہا تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگتی دیکھ کر ضحیٰ نے پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ بھائی نے کیا گفٹ دیا ہے تمہیں؟" اس نے شوخ نظروں سے نوفل کو دیکھتے ہوئے طوبیٰ کی طرف دیکھا تو وہ بے اختیار گڑبڑا گئی۔ جبکہ نوفل کا دھیان اپنی جیب میں پڑی ڈائمنڈ رنگ کی طرف چلا گیا جو اس نے بہت ارمانوں سے اس کے لیے خریدی تھی۔ لیکن.....

"اپنا دل!" محب نے شرارت سے بات اچکی۔

"میرے خیال میں گردے گفٹ کیے ہیں نوفل نے۔" عالی نے مصنوعی سنجیدگی سے قیاس آرائی کی تو سبھی ہنس پڑے۔

"بتاؤ نا طوبیٰ؟" ضحیٰ کے اصرار پہ طوبیٰ کی نظریں غیر ارادی طور پہ مدد کے لیے مقابل بیٹھے نوفل کی طرف اٹھ گئیں۔ یوں جیسے وہ سالوں پہلے اپنی ہر چھوٹی بڑی مشکل میں اس کے پاس دوڑی چلی آتی تھی۔

اسے اپنی طرف تکتا پا کے نوفل کے لبوں پہ اک تلخ مسکراہٹ نمودار ہو کے غائب ہو گئی تھی۔

"اپنا آپ گفٹ کیا ہے میں نے اپنی پیاری بیگم کو۔" طوبیٰ کو گہری نظروں کے حصار میں لیے وہ گمبھیر لہجے میں بولا تو جہاں اس کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا تھا وہیں ان سب کی معنی خیز آوازوں نے طوبیٰ کا چہرہ گلابی کر ڈالا۔ وہ نچلا لب دانتوں تلے دبائے پلکیں جھکا گئی تھی۔

ان کے شور پہ نوفل ہنس پڑا تھا۔ صباحت اور ارجمند بھی بردبار سے نوفل کا یہ روپ دیکھ کے خوش گوار سی حیرت میں گھریں اسے مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"آپ تو بہت رومانٹک نکلے بھائی۔ میں تو آپ کو بہت شریف النفس قسم کا آدمی سمجھتا تھا۔" محب کے چھیڑنے پہ سبھی ہنس پڑے تھے۔

"بہت سستے میں چھوٹے ہیں آپ۔ یہ سخت زیادتی ہے میری دوست کے ساتھ۔" ضحیٰ کی صدائے احتجاج پہ نوفل نے مسکراتے ہوئے بہن کی طرف دیکھا تھا۔ اور پھر کچھ سوچ کر جیب میں ہاتھ ڈالا تھا۔

چھوٹی سی مخمل کی ڈبیا باہر آتے ہی ان سب کی تالیاں بے اختیار بجی تھیں۔ طوبیٰ نے گھبرا کے نظریں اٹھائی تھیں۔ نوفل جاہ کے ہاتھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ حیران رہ گئی تھی۔

نوفل اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور اعتماد سے چلتا ہوا طوبیٰ کے برابر آ بیٹھا تھا۔ اس کا ارادہ بھانپ کر محب نے تیزی سے اپنا موبائل اٹھایا تھا۔ وہ اس خوب صورت لمحے کو ہمیشہ کے لیے قید کر لینا چاہتا تھا۔

طوبیٰ کے پاس بیٹھتے نوفل نے بہت آرام سے ڈبیا کھولی تھی اور انتہائی سکون سے اس کا گود میں رکھا ہاتھ تھام کے اس کی انگلی میں انگوٹھی پہنا دی تھی۔ لاؤنج ایک بار پھر سب کی تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔

صباحت اور ضحیٰ نے دل میں بے اختیار اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔ نگین والی غلط فہمی یقیناً دور ہو گئی تھی۔ دوسری طرف عالی کا بھی کچھ ایسا ہی خیال تھا۔ وہ موقع ملتے ہی نوفل کے گلے آ لگا تھا۔

"بہت مبارک ہو میرے دوست۔ لگتا ہے تم دونوں کے درمیان ہر نئی پرانی رنجش دور ہو گئی ہے۔" اسے خود سے لگائے وہ خوش گوار لہجے میں بولا تو نوفل جاہ کے لبوں پہ اک پھیکی سی مسکراہٹ آ ٹھہری۔

"اللہ تعالیٰ تمہارے دل اور گھر کو یونہی شاد و آباد رکھے... میں تمہارے لیے بہت بہت خوش ہوں۔" اس نے جوش سے نوفل کے ہاتھ دبائے تو وہ اپنے چہرے پہ پھیلتی شکستگی چھپانے کو کھل کر مسکرا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ماہ نور!" صباحت کی آواز پہ چائے بناتی ماہ نور نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ صباحت کچن کے دروازے میں کھڑی تھیں۔

"جی آنٹی۔"

"بیٹا عالی کی امی کے سر میں بہت درد ہے۔ اگر کوئی دوا ہے تو انہیں دے دو۔"

"میں ابھی دیتی ہوں۔" وہ برنر آہستہ کرتی آگے بڑھی تھی۔

"وہ اپنے کمرے میں ہیں۔" ان کی بات پہ وہ اثبات میں سر ہلاتی لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ دراز میں سے دوا لے کر وہ تیز قدموں سے سیڑھیاں پھلانگتی اوپر آئی تھی۔ اس کا دھیان چولہے پہ رکھی چائے پر تھا۔

عجلت میں جونہی اس نے راہداری میں قدم رکھا تھا، وہ دوسری طرف سے آتے محب سے بری طرح ٹکرا گئی تھی۔

"آہستہ، آہستہ چلو لڑکی۔" محب کے ہاتھوں نے غیر ارادی طور پہ اسے سنبھالا تھا۔ ماہ نور کا چہرہ مارے خفت کے سرخ ہو گیا تھا۔

اس نے پیچھے ہٹنے کی کوشش میں تیزی سے سیدھا ہونا چاہا تھا۔ لیکن.....

"آہ!" اس کے لبوں سے نکلنے والی کراہ بے اختیار تھی۔ اس کے بال محب کی شرٹ کے بٹن میں پھنس گئے تھے۔

"ایک... ایک منٹ۔" وہ خود بھی اس عجیب سی صورت حال سے بوکھلا گیا تھا۔ ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس نے اس کے لمبے بالوں کی الجھی لٹ کو اپنے بٹن میں سے نکالنے کی کوشش کی تھی۔ مگر دونوں ہی ایک دوسرے کی جان بخشی پہ آمادہ نظر نہ آتے تھے۔

شرمندگی کے باعث ماہ نور کی پیشانی پہ پسینہ پھوٹ نکلا تھا۔ محب جاہ کے کپڑوں سے اٹھتی کلون کی مہک اس کی گھبراہٹ میں اضافہ کر رہی تھی۔

"نکل، نکل گئی۔" محب نے پریشان ہو کے بالوں کو ہلکا سا جھٹکا دیا تو انہوں نے بٹن کی جان چھوڑ دی۔ ماہ نور بجلی کی سی تیزی سے پیچھے ہٹی تھی۔

"آئی ایم سوری محب بھائی۔" کانوں کی لووں تک

سرخ چہرہ لیے وہ نظریں چراتے ہوئے بولی تو محب کے لبوں پہ نا چاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے دلچسپی سے لب کاٹتی ماہ نور کی طرف دیکھا تھا۔ لمبی گھنیری پلکیں جھکائے وہ گھبرائی سی بہت معصوم بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں ہو جاتا ہے۔" اس کی خفت مٹانے کو وہ رسان سے بولا۔ تو وہ تیزی سے اس کے پاس سے گزرتی آگے بڑھ گئی تھی۔ بے اختیار محب نے پلٹ کر اس کی پشت کی طرف دیکھا تھا، جس پہ جھولتی ہوئی موٹی سی چٹیا اسے مسکرانے پہ مجبور کر گئی تھی۔

رخ موڑتے ہوئے اس کی نظریں یونہی اپنے بٹن سے جا الجھی تھیں۔ لیکن اس میں اٹکے چند ایک لمبے بال دیکھ کے اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے بیٹا؟" ارجمند کی آنکھوں میں حیرت پھیل گئی تھی۔ کچھ ایسی ہی کیفیت طوبیٰ اور ماہ نور کی بھی تھی، جو نوفل کی بات سن کے اس کا منہ تکنے لگی تھیں۔

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ بیٹا ہے وہ تمہارا، حق رکھتی ہو تم اس پر۔" صباحت کے شگفتہ لہجے پہ ارجمند کے چہرے پہ بے بس سی مسکراہٹ ابھری۔

"وہ تو ٹھیک ہے بھابھی۔ لیکن ہم آپ لوگوں کے ساتھ...."

"دیکھیں اماں جان۔" نوفل نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے انہیں ٹوکا تو طوبیٰ ایک بار پھر اس کے منہ سے اماں جان سن کے جز بز ہو کر رہ گئی۔ آج صبح حسن ولا آنے کے بعد جب اس نے نوفل کو ارجمند بیگم کو اماں جان پکارتے سنا تھا تو وہ ایک لمحے کے لیے حیران رہ گئی تھی۔ جو اخلاقی قدم اصولی طور پہ اسے صباحت بیگم کے حوالے سے پہلے اٹھانا چاہیے تھا، وہ بنا کسی پس و پیش کے نوفل جاہ اٹھا چکا تھا۔ وہ بھی بغیر کچھ جتائے۔ اور وہ نا چاہتے ہوئے بھی صباحت آنٹی کے سامنے شرمندہ ہو گئی تھی۔

"ایک بات تو طے ہے کہ میں آپ دونوں کو تنہا اس شہر میں نہیں چھوڑنے والا۔"

"مگر بیٹا میں کیسے ساری زندگی کے لیے بیٹی کے گھر جا کے بیٹھ سکتی ہوں؟ نہیں یہ کسی طور ممکن نہیں۔" انہوں نے قطعیت سے نفی میں سر ہلایا۔ نوفل انہیں دیکھتا پل بھر کو خاموش ہو گیا۔ تبھی ایک اور خیال اس کے ذہن میں آیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ آپ ہماری انیکسی میں شفٹ ہو جائیے گا۔ وہ گھر کی مین بلڈنگ سے بالکل الگ ہے۔" اس کی بات پہ ارجمند نے بے بس نظروں سے اسے دیکھا۔

"مان جائیں آنٹی۔ آپ لوگوں کا اکیلے یہاں رہنا ممکن نہیں۔" فیضی نے رسان سے کہا تو ارجمند ان سب کی اس درجہ محبت کے احسان تلے دب سی گئیں۔ اتنے پر خلوص لوگوں کا ساتھ تو شاذ و نادر ہی کسی کو ملتا ہے۔ وہ بے حد خوش نصیب تھیں، جو انہیں نوفل جیسا داماد اور صباحت جیسی سمدھن ملی تھیں۔ وگرنہ ان کے اپنے پیدا کردہ بیٹے نے تو نا صرف انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا بلکہ جاتے جاتے ان کا ذریعہ معاش بھی ختم کر گیا تھا۔

"ایک شرط پہ۔" ارجمند نے ان چاروں پہ نگاہ ڈالی۔

"میں وہاں کا کرایہ دوں گی۔" اور وہ چاروں ہی ایک دوسرے کو دیکھتے ہنس پڑے تھے۔

"ممکن نہیں اماں جان۔"

"اگر یہ ممکن نہیں تو پھر میرا بھی وہاں جانا ممکن نہیں۔" ان کے قطعی لہجے پہ نوفل کو بالآخر ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔

"چلیں جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ ہم یہ گھر بند کر کے غیاث کی فیملی کو یہیں رکنے کے لیے کہہ دیں گے۔ آپ کا جب دل چاہے چکر لگا لیا کیجیے گا۔" اپنے قابل بھروسا اور پرانے چوکیدار کے حوالے پہ ارجمند نے اثبات میں سر ہلایا تو طوبیٰ نے بے چینی سے ماں کو دیکھا۔ جو اسے کسی خاطر میں لائے بنا خود ہی سارے معاملات نوفل صاحب کے ساتھ طے کیے جا رہی

نہیں۔
"اب آپ بتائیں۔ کب سے شفٹنگ شروع کروائی جائے؟" نوفل نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تو طوبیٰ کا دل تیزی سے ڈوب کر ابھرا۔ وہ کسی طور اس کے ہمراہ کراچی جانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ وہ اس سارے ڈرامے کا اب صرف ڈراپ سین چاہتی تھی اور بس!

"فی الحال تو یہ ممکن نہیں۔ ماہ نور کا آخری سمسٹر رہ گیا ہے۔ وہ فارغ ہو جائے' پھر ہی ہم یہاں سے شفٹ ہو پائیں گے۔" ارجمند کے جواب پہ طوبیٰ نے بے اختیار شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ کوئی تو سبیل نکلی تھی' اتنے بڑے اقدام کو روکنے کی۔

"اس میں تو چھ سات ماہ لگ جائیں گے۔ تب تک آپ لوگ یہاں تنہا کیسے رہیں گے؟" نوفل کے چہرے پہ پریشانی در آئی۔

"تنہا کہاں۔ غیاث کی فیملی' ڈرائیور' مالی سبھی تو ہوں گے۔ تم پریشان مت ہو۔" محبت سے کہتے ہوئے انہوں نے اس کا شانہ تھپتھپایا تو نوفل کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں پھیل گئیں۔

☆ ☆ ☆

"مجھے آپ کے ساتھ کراچی نہیں جانا۔" نوفل کمرے میں آیا تو بیڈ پہ بیٹھی طوبیٰ کی سپاٹ آواز نوفل کو اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر گئی۔

"پھر کہاں جانا ہے؟" اس نے استہزائیہ انداز میں بھنویں اچکائیں۔

"کہیں بھی نہیں میں اپنا ایم ایس ادھورا نہیں چھوڑ سکتی۔"

"آئی سی اور میں اپنا بزنس چھوڑ کے یہاں تمہارے سرہانے بیٹھ جاؤں۔" نوفل کے طنزیہ لہجے پر طوبیٰ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کو یہاں رکنے کے لیے کون کہہ رہا ہے؟" اس کی بات پر نوفل نے ٹھٹک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"اوہ۔۔۔ تو یہ مجھ سے گلو خلاصی کا طریقہ نکالا گیا ہے ۔۔۔۔ ناٹ بیڈ (Not Bad) مسز نوفل جاہ!" دل جلاتی مسکراہٹ لیے وہ اس کے پاس آ بیٹھا تو طوبیٰ گڑبڑا سی گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ پیچھے کو کھسکی تھی تبھی نوفل نے ہاتھ بڑھا کے اس کی کلائی تھام لی تھی۔

"پھر کیسی بات ہے۔" اچانک اس کی طرف جھکا وہ گمبھیر لہجے میں بولا تو طوبیٰ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کی پھیلی پھیلی سی آنکھیں نوفل جاہ کے قاتل خدوخال پہ جمی تھیں جو اس کے بے حد قریب تھے۔

"اگر چند لمحے مجھے مزید ان نظروں سے دیکھا تو اپنے کسی بھی عمل کا ذمہ دار میں نہیں ہوں گا۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ لو دیتے لہجے میں بولا تو طوبیٰ نے گھبرا کے اپنی پلکیں جھکالیں۔ اس کی حرکت نوفل کو دھیرے سے ہنسنے پہ مجبور کر گئی تھی۔ اس کی گمبھیر ہنسی کی آواز پہ نظریں جھکائی بیٹھی طوبیٰ کی دھڑکنیں تیز تر ہو گئی تھیں۔

"ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں تم؟" اس کی نگاہیں طوبیٰ کی لرزتی پلکوں پہ جمی تھیں۔

"پہلے آپ پیچھے ہٹیں۔" اسے اپنی آواز حلق میں پھنستی محسوس ہوئی تھی۔

"رات تک تو تم بڑی طرم خان بنی ہوئی تھیں۔" نوفل نے ہاتھ بڑھا کے اس کے چہرے پر پھسل آنے والی لٹیں اس کے کان کے پیچھے اڑسیں تو طوبیٰ نے کسمسا کر پیچھے ہٹنا چاہا۔

"کراچی چلنے کی تیاری کرو۔۔۔ میں تمہارا وہاں کی کسی یونیورسٹی میں ٹرانسفر کروا دوں گا۔" اس کی جانب جھکے جھکے وہ اچانک سپاٹ لہجے میں بولا تو طوبیٰ نے ایک جھٹکے سے اپنا چہرہ اٹھاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ نظروں کے تصادم پہ نوفل جاہ اس کی کلائی جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں اپنا گھربار بے یارومددگار چھوڑ کے کہیں نہیں جاؤں گی۔" اس کے دور ہٹتے ہی طوبیٰ کی زبان اور ہمت دونوں لوٹ آئی تھیں۔ نوفل نے بغور اس کی

آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"ہوں.... تو تمہیں مجھ پہ بھروسا نہیں ہے۔ تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہارا یہ گھر بیچ کھاؤں گا۔" اس پہ نگاہیں جمائے وہ انتہائی سرد لہجے میں بولا تو طوبیٰ نظریں چرا گئی۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" گڑبڑا کر کہتی وہ نوفل جاہ کا صبر بری طرح آزما گئی تھی۔ وہ لب بھینچے آگے بڑھا تھا اور اسے دونوں بازوؤں سے جکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنے سامنے کھڑا کر دیا تھا۔

"جو بات دل میں پال سکتی ہو نا' اسے منہ سے بھی کہنے کی ہمت پیدا کرو طوبیٰ صاحبہ!" اس کی آنکھوں میں گھورتا وہ غرا کر بولا تھا۔ اس کے چہرے کی سرخی طوبیٰ کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے کر گئی تھی۔

"بہت شوق ہے نا تمہیں اپنے گھر کی حفاظت کا۔ تو ٹھیک ہے۔ تم اب اسی شہر میں رہو گی۔ ایک بات 'دوسری بات.... تم مجھ سے جان چھڑانا چاہتی ہو نا۔ تو اب تم میرے ساتھ.... صرف میرے ساتھ 'میرے گھر میں رہو گی۔ ماہ نور اور اماں جان کے چلے جانے کے بعد بھی تم یہیں رہو گی!" ایک ایک لفظ پہ زور دیتا وہ اس کی جان نکال لے گیا تھا۔

اس نے پھٹی پھٹی بے یقین نظروں سے نوفل کے تنے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ مگر وہ اسے جھٹکتا 'جیب میں سے موبائل نکال کے کوئی نمبر ملانے لگا تھا۔ طوبیٰ بے حس و حرکت کھڑی صرف اسے دیکھنے تک قادر رہ گئی تھی۔

"السلام علیکم ڈاکٹر کریم۔ کیسے ہیں آپ؟" دوسری طرف سے کال ریسیو ہوتے ہی وہ خوش دلی سے گویا ہوا تھا۔

"میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔" ان کی بات کا جواب دیتا وہ کمرے کے وسط میں آ کھڑا ہوا تھا۔

"میں نے طے کیا ہے کہ آپ کے ہسپتال کے پراجیکٹ کو میں خود سپروائیز کروں گا۔ اس لیے آپ اپنے کہے کے مطابق میری رہائش کا بندوبست کروا دیجیے۔ میں ایک دو دن کے اندر اندر وہاں اپنی مسز کے ساتھ شفٹ ہونا چاہوں گا۔" اس پہ نگاہیں جمائے وہ بے تاثر انداز میں بولا تو بت بنی کھڑی طوبیٰ کی رنگت متغیر ہو گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" دوسری طرف سے یقیناً اس کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ جبھی وہ مسکرا کر شائستگی سے بولا تھا۔ "میں آپ کی کال کا انتظار کروں گا۔ اللہ حافظ!" رابطہ منقطع کرتے ہوئے اس نے نہایت سکون سے موبائل جیب میں رکھا تھا۔ اور اس کی طرف دیکھے بنا' تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

اس کے منظر سے ہٹتے ہی طوبیٰ بے بس سی بیڈ پہ گر گئی تھی۔ آنسو تیزی سے اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے تھے۔ اگلے ہی لمحے وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ پتا نہیں وہ نوفل جاہ کہاں جا چھپا تھا' جو اس کی چھوٹی سی تکلیف پہ بھی پریشان ہو جایا کرتا تھا۔ جو اس کی ہر خواہش صرف اس لیے پوری کیا کرتا تھا کہ اسے وہ روتی ہوئی اچھی نہیں لگتی تھی اور آج اس کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھ سکنے والا خود اسے رلا رہا تھا۔ اذیت پہنچا رہا تھا۔

"میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی نوفل!" خود ترسی کے عالم میں سسکتی وہ یہ بات بھول گئی تھی کہ نوفل جاہ کو اس نہج تک لانے والی بھی وہ خود ہی تھی۔

☼ ☼ ☼

نوفل کے اس فیصلے کو عالی اور محب کے ساتھ ساتھ صباحت اور ضحیٰ نے بھی پسند کیا تھا۔ طوبیٰ کی پڑھائی اور ہسپتال کے پراجیکٹ کی تکمیل تک لاہور میں رکنے کا فیصلہ ایک معقول تجویز تھی۔ جس سے مطمئن ہو کر باقی سب اپنی واپسی کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔ نوفل نے ارحمند بیگم کی 'حسن ولا میں اپنی اور طوبیٰ کی رہائش کی تجویز کو 'بہت سبھاؤ سے رد کر دیا تھا۔ اس کی خودداری ارحمند کو بے حد بھائی تھی۔

وہ اپنی بیٹی اور ان سب کے لیے نوفل کی اس درجہ فکر مندی اور محبت دیکھ کے اسے دعائیں دیتی نہ تھکتی

تھی۔ مہندی کی حالت ماہ نور کا بھی تک سوہا والا اپنے
گلے کے گرد چکرائی پھرتی تھی۔ سال لور، بس کا یہ منظر طوبیٰ کو ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر تو جلتے ہوئے پورے منظر پہ چھا جانے پر کڑھتی رہی تھی۔ اور اسی جلن نے اسے اچھا خاصا چڑچڑا بنا رکھا تھا۔

"آپی! آپ کا یہ والا سوٹ بھی پیک کر دوں؟"
ارحمند کی ہدایت پہ ماہ نور ساتھ ساتھ طوبیٰ کی بھی تھوڑی پیکنگ میں مصروف تھی۔ کیونکہ نوفل کے کہنے کے مطابق ایک آدھ دن میں انہیں بھی اپنے گھر میں شفٹ ہو جانا تھا۔

"کیا کرو، سب مجھ اس میں ڈالو اور نکل باہر کرو مجھے۔" تیوریاں چڑھائے اس نے غصے سے کھلے ہوئے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کیا تو کمرہ میں آتی ارحمند ٹھٹک کر دروازے میں ہی رک گئیں۔

"کیوں۔ کس بات پہ ناراض ہو رہی ہو بیٹا؟" انہوں نے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی طوبیٰ کو دیکھا تو وہ روہانسی سی منہ موڑ گئی۔

"آپی!" ماہ نور ہاتھ میں پکڑا ہینگر چھوڑتے ہوئے اس کی طرف بڑھی تو وہ گھٹنوں پہ چہرہ ٹکائے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی۔ اسے روتا دیکھ ماہ نور کی اپنی آنکھیں بھی جھلملا گئی تھیں۔ اس نے بے اختیار اسے خود سے لگا لیا تھا۔ ارحمند بھی آنکھوں میں نمی لیے بیٹیوں کے قریب چلی آئی تھیں۔

ماہ نور کو آہستگی سے ہٹاتے ہوئے انہوں نے طوبیٰ کو خود سے لگایا تو ان کے سینے سے لگتے ہی اس کے ضبط کا دامن چھوٹ گیا۔

"میں نے نہیں جانا اماں جان۔ میں نے آپ لوگوں کو چھوڑ کے کہیں نہیں جانا۔" وہ روتے ہوئے تڑپ کے بولی تو ارحمند کی آنکھوں سے بھی جھڑی لگ گئی۔

"بیٹیوں کو تو ایک دن جانا ہی ہوتا ہے۔ میری جان۔" اس کی پشت سہلاتے وہ حوصلے سے بولیں۔ طوبیٰ کے آنسوؤں میں شدت در آئی۔

"مجھے نہیں جانا۔ اس گھر سے کہیں چلا جائے ہماری زندگیوں سے چھوڑ کے ہماری مجبوریاں میں سسکیوں کے درمیان وہ بے ربطگی سے بولی تو ارحمند نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے خود سے الگ کیا۔

"ایسے نہیں کہتے بیٹا۔ شوہر ہے وہ تمہارا۔ اسے چاہنے اور قدر کرنے والا شریک سفر نصیبوں والوں کو ملتا ہے میری جان۔" اس کے رخسار سے اشک صاف کرتیں وہ نرمی سے بولیں تو ماہ نور بھی اٹھ کر ان کے دوسری طرف آ بیٹھی۔

"بالکل آپی۔ اتنا مان اور اتنی محبت تو آخر بھائی نے ہمیں کبھی خواب میں بھی نہیں دی جتنی کہ نوفل بھائی نے ان چند دنوں میں دے ڈالی ہے۔ آپ بہت ہی بہت خوش قسمت ہیں۔ اب دیکھیں نا انہوں نے صرف آپ کی خاطر یہاں رہائش اختیار کر لی ہے۔ اتنا خیال کون اپنی بیوی کا کرتا ہے آپی!" ماہ نور نے پیار سے اس کے بال سمیٹے تو طوبیٰ کے لبوں پہ اک ذرا سی مسکراہٹ در آئی۔

"اور تم کون سا دور جا رہی ہو۔ جب بھی دل چاہے گا آ جایا کرو گی۔" ارحمند نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیا تو طوبیٰ نے اک بوجھل سانس لیتے ہوئے اپنی تھکی ہوئی آنکھیں موند لیں۔

☆ ☆ ☆

"اچھا اماں جان۔" وہ سب جانے کے لیے تیار کھڑے تھے جب مسکراتا ہوا محب ماہ نور کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی بات پہ ماہ نور پہلے حیران اور پھر جھینپ کر مسکرا دی تھی۔ اس کے چہرے پہ بکھرا گلال محب کو غور سے دیکھنے پہ مجبور کر گیا تھا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ تم بڑی ہو کر اتنی ٹھیک ٹھاک ہو جاؤ گی۔" محب نے محتاط سے الفاظ میں اس کی تعریف کی تو ماہ نور کی مسکراہٹ اس عجیب سی تعریف پہ گہری ہو گئی۔

"آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ میں بچپن میں ذرا بھی اچھی نہیں تھی؟"

"اچھی تو تھیں لیکن "رونددو" بہت تھیں۔" محب کے مسکرا کر کہنے پر ماہ نور کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ اس کی ہنسی محب کو ایک لمحے کے لیے مبہوت کر گئی تھی۔ وہ ایک ٹک اس کے خوب صورت چہرے پر پھیلتی روشنی کو تکتا رہ گیا تھا۔

"اپنا خیال رکھنا اچھی لڑکی۔" اس پہ نگاہیں جمائے وہ نرم لہجے میں بولا۔ محب کی آنکھوں میں ایسا کچھ تھا جو ماہ نور کی دھڑکنیں بے ترتیب کر گیا تھا۔

"آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔" دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے اپنا گلابی پڑتا چہرہ جھکا لیا تو محب کے لیے اپنے دل میں کروٹ لیتے اس نئے احساس کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ وہ اس سے الوداعی کلمات کہتا صباحت بیگم کے پاس آکھڑا ہوا جو روتی ہوئی طوبیٰ کو خود سے لگائے کھڑی تھیں۔

"میرے خیال میں تم وہ دنیا کی واحد بہو ہو جو اپنی ساس کے جانے پہ آنسو بہا رہی ہے' ورنہ آج کل کی لڑکیاں تو ساسوں کی آمد پہ آنسو بہاتی ہیں۔" صباحت کے شگفتہ لہجے پہ سب کے ساتھ ساتھ طوبیٰ بھی روتے روتے ہنس پڑی تھی۔

"کیا پتا آپ کی بہو بیگم بھی مگرمچھ کے آنسو بہا رہی ہو؟" ترچھی نظروں سے طوبیٰ کو دیکھتے ہوئے نوفل ماں سے مخاطب ہوا تو سبھی کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ جبکہ طوبیٰ کا چہرہ اس چوٹ پہ یک لخت پھیکا پڑ گیا۔

"میں جانتی ہوں میری بیٹی ایسی نہیں۔" صباحت نے مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

"آپ ناحق ساس بہو میں پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کر رہے ہیں بھائی۔ یہاں آپ کی دال نہیں گلنے والی۔" ضحیٰ نے اس کا بازو تھپتھپایا تھا۔

"یہاں ہم میں سے کسی کی بھی دال نہیں گلنے والی بہنا۔" نوفل نے ہنستے ہوئے ایک بار پھر وار کیا تو طوبیٰ غصے سے اسے دیکھتی رخ موڑ گئی تھی۔

ان سب کے چیک ان (اندر جانا) کرنے کے بعد نوفل دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا طوبیٰ کے پاس چلا آیا تھا' جو ایک طرف کھڑی آنسو صاف کر رہی تھی۔

"اگر تمہارا ڈرامہ ختم ہو گیا ہو تو گھر دیکھنے چلیں؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا تو لفظ "ڈرامہ" طوبیٰ کو سرتاپا سلگا گیا۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے نوفل کو دیکھا تھا اور بنا کوئی جواب دیے اماں جان کی طرف بڑھ گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

"ماشاء اللہ۔ بہت خوب صورت گھر ہے بیٹا۔" ارجمند ستائشی نظروں سے اردگرد دیکھتے ہوئے نوفل کی جانب پلٹیں۔

"نا صرف خوب صورت بلکہ مکمل طور پہ "فرنشڈ" (سجا سجایا) بھی۔" ماہ نور چہکی۔ "آپ تو بہت لکی ہیں آپی۔ گھر سجانے کے لیے کسی قسم کی بھاگ دوڑ کی ضرورت نہیں آپ کو۔" وہ طوبیٰ کو دیکھ کے مسکرائی تو اسے بھی مارے باندھے مسکرانا پڑا۔

نوفل جاہ کی ایک فون کال پہ شہر کے بہترین علاقے میں اتنا خوب صورت بنگلا اس کی رہائش کے لیے تیار کر دیا جائے گا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کا سپاٹ انداز نوفل کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا۔ وہ اسے کچھ بھی جتائے بنا ماہ نور اور اماں جان کے ساتھ سارا راستہ ہنستا بولتا رہا تھا۔ انہیں گھر چھوڑ کے وہ ڈاکٹر کریم سے ملنے ان کے ہسپتال چلا گیا تھا اور پیچھے طوبیٰ اپنی ماں اور بہن کو نوفل جاہ کے گن گاتا سننے کے لیے تنہا رہ گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

ملازم کو اپنا سامان بھی نوفل کے کمرے میں لے جاتا دیکھ کے لاؤنج میں کھڑی طوبیٰ کے لب سختی سے بھینچ گئے تھے۔ اس نے ایک کڑی نظر پورچ میں ٹہلتے نوفل جاہ پہ ڈالی تھی جو ہنس ہنس کے نجانے فون پہ کس سے بات کر رہا تھا۔

"ہونہہ دوغلے کہیں کے اندر کچھ باہر کچھ! اپنا نہیں اپنی محبوبہ کو کیا کہہ کر مطمئن کیا ہے۔ جو وہ یوں چپ سادھ کر بیٹھ گئی ہے۔" وہ جلتی بھنتی صوفے پہ آ بیٹھی تھی۔

ملازم کے باہر جاتے ہی وہ اسپرنگ کی طرح اچھلی تھی۔ اور تیز قدموں سے ماسٹر بیڈ روم میں چلی آئی تھی۔ اپنا سوٹ کیس اور دیگر سامان الگ کرتے ہوئے وہ ابھی آگے بڑھی ہی تھی کہ کمرے کا دروازہ کھول کے نوفل اندر چلا آیا تھا۔ اس پہ نظر پڑتے ہی وہ اپنی جگہ پہ رک گیا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس کی پیشانی پہ بل آٹھہرے تھے۔

"میں دوسرے کمرے میں شفٹ ہو رہی ہوں۔"

"کس کی اجازت سے؟"

"مجھے کسی کی اجازت درکار ہے کیا؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ بے خوفی سے بولی تو نوفل جاہ چلتا ہوا صوفے پر آبیٹھا۔ ٹانگ پر ٹانگ جماتے ہوئے اس کا چہرہ مکمل طور پر پرسکون ہو چکا تھا۔

"بالکل ہے۔ کیونکہ یہ میرا گھر ہے اور یہاں تم میری اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتیں۔" طوبیٰ کی طرف دیکھتا وہ سپاٹ لہجے میں بولا تو اس کے چہرے پہ استہزائیہ مسکراہٹ در آئی۔

"اوہ! تو غلام بنانے کا ارادہ ہے مجھے۔"

"اگر بات میری عزت پہ آئی ہو تو میں یہ بھی کر سکتا ہوں۔ یہ ملازموں سے بھرا گھر ہے۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہو گا کہ اس سامان کو اپنی جگہ پہ رکھو اور چپ چاپ اس کمرے میں پڑی رہو۔"

"میں..." طوبیٰ نے سلگ کر ابھی کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ دروازے پہ ہونے والی دستک کے باعث اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے۔ اس نے ایک تیز نظر نوفل پہ ڈالی تھی اور جھنجلائی ہوئی بیڈ پہ جا ٹکی تھی۔

نوفل کی اجازت پہ ملازم چائے اور لوازمات سے سجی ٹرالی لیے اندر چلا آیا تھا۔

"یہ زبردست کام کیا ہے یار۔" وہ مسکرا کر سیدھا ہوا تو غریب ملازم کا چہرہ اتنی سی تعریف پہ ہی کھل اٹھا۔

"شکریہ سر۔ چائے بناؤں؟"

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔" وہ دوستانہ انداز میں بولا تو طوبیٰ نے تپ کر منہ پھیر لیا۔

"ڈرامے باز!" چائے کی پیالیاں انہیں پیش کرنے کے بعد وہ باہر کی طرف بڑھنے لگا تو نوفل نے اسے پکار لیا۔

"یار شفیق! ایسا ہے کہ میری بیگم کو میرے لیے اپنے ہاتھوں سے کھانا بنانا پسند ہے۔ اس لیے تم رانی کو صبح ناشتے کے لیے منع کر دینا۔" اس نے اس کی بیوی کا نام لیا تو وہ "جی سر" کہتا باہر نکل گیا۔

ملازم کے منظر سے ہٹتے ہی طوبیٰ نے کپ سائڈ ٹیبل پہ پٹخ دیا۔

"خام خیالی ہے آپ کی۔ میں آپ کے لیے کوئی کھانا نہیں بنانے والی!"

"اگر تم چاہتی ہو کہ ملازموں سے پوری طرح ہاتھ دھو لو تو بے شک مت بنانا۔" بسکٹ منہ میں رکھتے ہوئے وہ بے نیازی سے بولا تو طوبیٰ کی آنکھوں میں بے یقینی پھیل گئی۔

"آپ' آپ نہایت..."

"ہینڈسم ہیں۔ جانتا ہوں۔" اس کی بات اچکتے ہوئے وہ سکون سے مسکرایا تو طوبیٰ کے پیروں سے لگی اور سر پہ بجھی۔ دانت پیستی وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور دھم دھم کرتی جا کے باتھ روم میں بند ہو گئی۔

دروازے کی دھاڑ پہ نوفل نے سر جھٹکتے ہوئے چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

کھانے کی میز پہ فاروق نظامی اپنی اہلیہ' بہو بیٹوں اور دونوں بیٹیوں کے ساتھ موجود تھے۔ سب کے درمیان معمول کی گپ شپ جاری تھی۔ ایسے میں نگین کی مکمل خاموشی مسز فاروق کو بے چین کر گئی تھی۔ نوفل جاہ کی شادی کو ہفتہ ہو گیا تھا۔ لیکن نگین کا گم سم اور کھویا کھویا سا انداز تاحال برقرار تھا۔ اپنی چاند سی بیٹی کا یہ حال دیکھ کر ان کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی تھی۔ بے اختیار شوہر کا بازو ہلاتے ہوئے انہوں نے انہیں اس کی طرف متوجہ کیا تھا جو معمول کے برعکس سادہ سے حلیے میں بہت پژمردہ سی' پلیٹ میں برائے

نام کھانا لیے بیٹھی تھی۔

"نگین! اُن کے پکارنے پہ اس نے سر اٹھا کے باپ کی طرف دیکھا تھا۔

"تمہاری چھٹیاں کب تک ہیں بیٹا؟"

"میں نے جاب سے ریزائن کر دیا ہے۔ میں اب لاہور میں ہی رہوں گی۔" اس کی بات پہ سب ہی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ کہاں تو وہ لاہور واپسی کے نام پر ہی بپھر اٹھتی تھی اور کہاں اس نے خود ہی کراچی چھوڑنے یعنی دوسرے لفظوں میں نوفل جاہ سے دستبرداری کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بیگم فاروق کی آنکھوں میں پہلی حیرت اولین لمحوں کے بعد خوش گوار سی بے یقینی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ وگرنہ بیٹی کے مزاج کو دیکھتے ہوئے وہ تو یہ سوچ کر ہی ہول جاتی تھیں کہ نجانے وہ کراچی جا کے کیا قیامت برپا کرنے والی تھی۔

"یہ تو بہت ہی اچھا فیصلہ کیا ہے تم نے۔" وہ خوش دلی سے بولیں تو نگین نے پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے طنزیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"چلیں آپ تو خوش ہوئیں۔" اس کا استہزائیہ لہجہ بیگم فاروق کو شرمندہ کر گیا۔ نگین پانی پی کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کھانا تو ڈھنگ سے کھاؤ۔"

"کھا چکی۔" وہ ان کی طرف دیکھے بنا دروازے کی طرف بڑھ گئی تو ان کے لبوں سے بے اختیار اک اطمینان بھری سانس برآمد ہوئی۔

"شکر ہے۔ اس لڑکی کے سر سے اس نوفل کے عشق کا بھوت تو اترا۔"

"واقعی یقین نہیں آرہا۔" حیران بیٹھی مزنی کی تائید سیڑھیاں چڑھتی نگین کے لبوں پہ کاٹ دار مسکراہٹ بکھیر گئی۔

"بھوت تو اب سوار ہوا ہے ممی۔ آپ شاید یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں نے یہ فیصلہ اپنی ہار مان کر کیا ہے۔ نہیں میری بھولی ماں قطعاً "نہیں!" میں اپنے گناہ گار کی ایک ایک حرکت پہ نگاہ رکھے ہوئے ہوں۔" نگین فاروق نے نہ تو کبھی کسی کی برتی ہوئی چیز لی ہے۔ اور نہ ہی اپنی چیز کبھی کسی کو برتنے دی ہے۔۔۔۔ میں تو ڈوب چکی 'اب نوفل جاہ کی باری ہے۔ دیکھنا صرف اتنا ہے کہ اب کی بار وہ کیسے بچ جاتا ہے۔" نفرت کے احساس سے اس کا حسین چہرہ مسخ ہونے لگا تھا۔

الارم کی آواز پہ گہری نیند سوئی طوبیٰ ہڑبڑا کر جاگی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ کیسا شور ہے؟ نیند میں جھولتے ہوئے اس نے بے زاری سے اس شور کے مرکز کو تلاشنا چاہا تھا۔ چند سیکنڈ کی کوشش کے بعد اس کی نظر سرہانے رکھے ٹائم پیس سے ٹکرائی تو وہ بری طرح بھنا گئی۔ ہاتھ بڑھا کر اس کا گلا گھونٹتے ہوئے اس نے خونخوار نظروں سے اپنے مجرم کی طرف دیکھا تھا جو اس کی لاعلمی میں اس نقارے کو اس کے سرہانے سیٹ کر کے 'خود آرام سے بیڈ پہ پھیلا سو رہا تھا۔ اس کی ڈھونس طوبیٰ کا خون جلا گئی تھی۔

گھڑی واپس پٹختے ہوئے وہ دوبارہ لیٹ گئی تھی۔ لیکن صوفے کی سختی نے اسے کچھ ہی لمحوں میں پھر سے اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ویسے بھی شادی کے اولین دن سے مختلف قسم کے صوفوں پر سوتے سوتے اس کا جسم دکھنے لگا تھا۔ وہ بستر کی نرماہٹ کو ترس گئی تھی۔ مگر اس ظالم شخص کو ایک بار بھی اس کی تکلیف کا احساس نہیں ہوا تھا۔

بالآخر وہ جھنجلائی سی خود پہ سے کمبل جھٹکتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ قہر برساتی نگاہوں سے نوفل جاہ کو گھورتی' وہ بال سمیٹ کر باتھ روم میں جا گھسی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر اس نے اپنا حلیہ درست کیا تھا اور کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ پورا گھر خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی کچن کی طرف چلی آئی تھی 'اندر سے آتی کھٹ پٹ کی آوازوں نے اسے وہاں کسی کی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔ شفیق کا سوچ کر وہ قدرے جھجک کر اندر داخل ہوئی تھی۔ لیکن اس کے بجائے ایک عورت کو دیکھ کر وہ ریلیکس ہو گئی تھی۔

"سلام بیگم صیبہ (صاحبہ)۔" اس پہ نگاہ پڑتے ہی وہ مودب سی بولی تو طوبیٰ آگے بڑھ آئی۔

"وعلیکم سلام۔ تم....."

"میں جی شفیق کی گھر والی ہوں۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ آپ ناشتا خود بنائیں گی۔ مگر میں نے سوچا کہ کہیں آپ برا نہ مان جائیں۔ اس لیے اندر چلی آئی۔" اس نے جلدی سے وضاحت دی تو طوبیٰ مسکرادی۔

"اچھا کیا۔ اس لیے نہیں کہ میں برا مان جاتی بلکہ اس لیے کہ مجھے باتیں کرنے والا مل گیا۔" اس کے نرم لہجے پہ اس بے چاری کی گھبراہٹ میں بھی کمی واقعی ہوئی۔

"آپ تو بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں جی۔" وہ مسکرا کر بولی تو طوبیٰ کے لب بھی مسکرادیے۔

"ایک کپ چائے ملے گی؟"

"کیوں نہیں جی۔ ابھی لیں۔" چائے پی کر طوبیٰ نے رانی کے ساتھ مل کر پراٹھوں اور آملیٹ کا ناشتا تیار کیا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ نوفل سے خائف ہو گئی تھی۔ بلکہ اس لیے کہ اسے مفت میں بیٹھ کر نوفل جاہ کی روٹیاں توڑنا منظور نہ تھا۔

ناشتا بنا کر اس نے رانی سے ٹیبل لگانے کے لیے کہا تھا اور خود کمرے میں چلی آئی تھی۔ نوفل ابھی تک گہری نیند سو رہا تھا۔ طوبیٰ نے میز پہ پڑی گھڑی اٹھائی تھی اور چند سیکنڈ بعد کا الارم لگا کے اسے نوفل کے سرہانے رکھ دیا تھا۔ اگلے ہی لمحے کمرہ الارم کی آواز سے بج اٹھا تھا۔ طوبیٰ سینے پہ بازو لپیٹے ایک طرف کھڑی ہو گئی تھی۔

چند ہی ثانیے میں گھڑی کا شور رنگ لایا تھا۔ نوفل جاہ بے چینی سے کسمسایا تھا اور بالآخر اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ الارم بند کرتے ہوئے وہ جونہی سیدھا ہوا تھا۔ اس کی نظریں طوبیٰ سے جا ٹکرائی تھیں، جو بے تاثر چہرہ لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ بالوں میں انگلیاں پھیرتا اٹھ بیٹھا تھا۔

"اس سے بھونڈا طریقہ نہیں ملا تھا تمہیں اٹھانے کا؟" اس نے طوبیٰ کی طرف دیکھا۔

"آپ سے ہی سیکھا ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ نوفل جاہ کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے تو اور بھی بہت سے طریقے آتے ہیں۔ کہو تو وہ بھی سکھا دوں؟" گہری نظروں سے اسے دیکھتا وہ معنی خیزی سے بولا تو طوبیٰ کا چہرہ جل اٹھا۔

"جا کر ان محترمہ کو سکھائیں۔" گڑبڑا کر کہتی وہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ نوفل نے حظ اٹھاتی نگاہوں سے اس کے سرخ چہرے کو دیکھا۔ "ان محترمہ کا نام نگین ہے۔ نگین فاروق۔"

"میں نے ناشتا بنا دیا ہے۔" اس کی بات ان سنی کیے وہ تپ کے اس کی طرف پلٹی تو نوفل کے لبوں پہ دل جلانے والی مسکراہٹ آٹھہری۔ طوبیٰ کا غصہ دوچند ہو گیا۔

"اور یہ مت سمجھیے گا کہ میں آپ کا حکم بجا لائی ہوں۔ میں ایک غیرت مند باپ کی بیٹی ہوں۔ آپ کے احسان جہاں تک ہو سکیں گے اتارتی رہوں گی۔" اس کا کڑوا انداز ایک بار پھر نوفل کو بری طرح چوٹ پہنچا گیا تھا۔ اس کے مسکراتے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے تھے۔

"تم جو کر رہی ہو یقیناً" بہت سوچ سمجھ کے کر رہی ہو گی۔ بس اب یہ دعا کرنا کہ تمہیں کبھی اپنے کیے پہ پچھتانا نہ پڑے طوبیٰ حسن!" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تو طوبیٰ اسے خاموشی سے دیکھ کر رہ گئی۔ نوفل خود پہ سے کمبل جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میرے کپڑے تیار کرو۔ مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔" سپاٹ لہجے میں کہتا وہ اس کے پاس سے گزر کے باتھ روم میں چلا گیا تو طوبیٰ لب چبانا نہ چاہتے ہوئے بھی عجیب سی ادھیڑبن میں پڑ گئی۔

نوفل کے چلے جانے کے بعد طوبیٰ نے اپنی نگرانی میں ملازمین سے پورے گھر کی صفائی کروائی تھی۔ وہ مالی کے سرہانے کھڑی اسے لان سے متعلق چند ہدایات دے رہی تھی جب اس کے ہاتھ میں پکڑا فون بج اٹھا

تھا۔ "حسن ولا" کا نمبر دیکھ کے اس نے فون کان سے لگا لیا تھا۔

"السلام علیکم اماں جان۔"

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہے میری بیٹی؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں؟" وہ چلتی ہوئی برآمدے میں رکھی کرسیوں پہ آبیٹھی۔

"اللہ کا شکر ہے.... بھئی جس طرح سے تم جاتے ہوئے اداس تھیں مجھے تو لگا تھا کہ آج صبح نوفل کے ساتھ ہی آجاؤ گی۔" وہ مسکراتے لہجے میں بولیں۔ تو ان کی بات سنتی طوبیٰ چونک گئی۔

"کیا یہ صبح آئے تھے؟"

"اس نے تو آنا ہے تھا۔ ماہ نور کے ساتھ جو جانا تھا۔"

"کہاں جانا تھا؟" وہ بے اختیار سیدھی ہو بیٹھی۔

"نوفل نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟" ارجمند نے قدرے حیرت سے استفسار کیا تو طوبیٰ کا سر نفی میں ہل گیا۔

"نہیں تو۔"

"چلو کوئی بات نہیں.... ایسا ہے کہ کل شام میں ماہ نور کی سہیلی فروا کا فون آیا تھا۔ اس کے ماموں نے ان دونوں کے لیے اپنے کسی دوست کی فرم میں انٹرن شپ کا بندوبست کروایا ہے مگر شرط یہ تھی کہ انہیں آج صبح وہاں جوائننگ دینی تھی۔ پھر رات میں نوفل نے سونے سے پہلے حال احوال کے لیے فون کیا تو ماہ نور نے اسے بھی ساری بات بتادی۔ بس جی پھر کیا تھا۔ اس نے اسے وہاں اکیلے جانے سے قطعی منع کر دیا۔ اور صبح اب اسے خود لے کر گیا ہے۔ تاکہ وہاں کا ماحول دیکھ سکے۔ تھوڑی دیر پیشتر ماہ نور کا فون آیا تھا ہنس کرتا رہی تھی کہ جب تک نوفل بھائی نے فروا کے ماموں اور ان کے دوست سے بات نہیں کی' فرم کا خود جائزہ نہیں لیا تب تک اسے "وزیٹرز روم" (باہر سے آنے والوں کے لیے مختص کیا گیا کمرہ) سے بھی باہر نہیں آنے دیا۔" وہ بتاتے ہوئے خود بھی ہنس پڑیں تو طوبیٰ نے بے اختیار اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا۔ تو یہ وجہ تھی صبح کے لیے الارم لگانے کی اور وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید اپنی من مانی کرنے کو نوفل نے اسے صبح سویرے جگا دیا تھا۔ عجیب سی ندامت محسوس کرتے ہوئے اس نے اپنی پیشانی مسلی تھی۔

"اچھا اب ایک بات سنو۔ نوفل سے کوئی گلہ مت کرنے بیٹھ جانا۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں۔ ویسے بھی جب ماہ نور کی نوفل سے بات ہوئی تھی تو تم شاید سو رہی تھیں۔" انہوں نے اپنے تئیں اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"بے فکر رہیں نہیں کروں گی۔" وہ دھیرے سے بولی تو ارجمند مطمئن ہو گئیں۔ چند ایک باتوں کے بعد فون بند ہو گیا تو طوبیٰ نے بے دلی سے سیٹ ایک طرف ڈال دیا۔

"کیا ضرورت تھی اسے الٹے سیدھے اندازے لگانے کی؟" بے زاری بھری شرمندگی سے سوچتے ہوئے اس نے ارد گرد دیکھا تھا۔ مگر پھر اس شخص کے بھی تو ہزاروں روپ تھے اب اسے کیا پتا کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا تھا؟

"مگر تم بھی تو اس کے حوالے سے اپنی سوچوں کو تھوڑا مثبت رخ دو۔" ایک آواز اس کے اندر سے آئی تو اس کے لبوں پہ اک تلخ مسکراہٹ در آئی۔

"یہ بے اعتباری بھی تو انہی کی عطا کردہ ہے۔"

"لیکن...."

"کوئی لیکن ویکن نہیں۔ وہ سب کے لیے شجر سایہ دار تھے اور بن سکتے ہیں سوائے ایک میری ذات کے۔" وہ اپنے دل کی آواز کو دباتی ملول سی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ مگر اس کے اندر پھیلا اضطراب کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

✡ ✡ ✡

دن کچھ آگے بڑھے تھے۔ نوفل جاہ نے تو جیسے ارجمند اور ماہ نور پہ کوئی جادو کر دیا تھا۔ اس تمام عرصے میں کوئی دن ایسا نہ گزرا تھا جب وہ ارجمند سے صبح دعا لیے بغیر آفس گیا تھا۔ کوئی رات ایسی نہ تھی۔ جب

اس نے کراچی کے ساتھ ساتھ حسن ولا کی خبر گیری نہ کی تھی۔ اس کا احساس ذمہ داری کبھی کبھی طوبیٰ کو حیران کرنے لگتا تھا۔ حسن مجتبیٰ کے چالیسویں کا سارا انتظام بھی اس نے خود کیا تھا۔

کراچی سے صباحت ختم میں شرکت کی خواہش مند تھیں، لیکن انہی دنوں ضحیٰ کے امتحانات تھے جن کے پیش نظر طوبیٰ نے انہیں خود منع کر دیا تھا۔ ان سب سے طوبیٰ کی روز ہی بات ہوتی تھی۔ صباحت کا اصرار تھا کہ وہ دونوں اب کہیں گھومنے پھرنے کے لیے جائیں اور طوبیٰ اپنی یونیورسٹی دوبارہ شروع کرنے سے پہلے ایک چکر اپنے اصلی گھر بار یعنی کراچی کا بھی لگا جائے۔ لیکن نوفل ماں کی اس فرمائش کو مسلسل ٹالے دے رہا تھا۔ اور طوبیٰ ہر بار ان کی اس درجہ محبت کے آگے شرمندہ ہونے کو تنہا رہ جاتی تھی۔

بالآخر تنگ آکر اس نے یونیورسٹی دوبارہ جوائن کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ گھر فون کر کے اس نے ارجمند سے ڈرائیور کے ہاتھ اپنی گاڑی، کتابیں اور چند ایک اور ضروری چیزیں بھیجنے کے لیے کہا تھا۔ وہ کم از کم اپنے ذاتی کاموں اور آمدورفت کے لیے نوفل جاہ کی محتاج نہیں ہونا چاہتی تھی۔

✡ ✡ ✡

وہ دونوں روزانہ کی طرح خاموشی سے ناشتے کی میز پہ ناشتے میں مصروف تھے جب دروازے پہ دستک دے کر شفیق اندر چلا آیا تھا۔

"سر باہر کوئی احمد گاڑی لے کر آیا ہے۔"

"احمد؟" نوفل نے اخبار پہ سے نظریں اٹھاتے ہوئے الجھ کر شفیق کو دیکھا تو طوبیٰ بول اٹھی۔

"ڈرائیور احمد۔ میں نے اپنی گاڑی منگوائی ہے۔"

اس کی بات پہ نوفل کے چہرے پہ ناگواری چھا گئی۔

"کس لیے؟"

"میں آج سے یونیورسٹی جوائن کرنا چاہتی ہوں۔"

"تو؟" نوفل نے بھنویں اچکائیں۔

"تو یہ کہ اس کے لیے مجھے اپنی کنوینس چاہیے۔"

شفیق کے سامنے نوفل کا تفتیشی انداز طوبیٰ کو بری طرح سلگا گیا تھا۔ اس کے جواب پہ نوفل نے پلٹ کر شفیق کو دیکھا تھا۔

"اس سے کہو کہ گاڑی واپس لے جائے۔"

"لیکن میں..." طوبیٰ نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر نوفل کی انتہائی سخت نظروں نے اس کی زبان تالو سے لگا دی تھی۔ وہ بے حد غصے میں تھا۔ طوبیٰ نا چاہتے ہوئے بھی خائف ہو گئی تھی۔

شفیق کے باہر نکلتے ہی نوفل نے پاس پڑا موبائل اٹھا کر کوئی نمبر ملایا تھا اور فون کان سے لگا لیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسے ہو جمشید؟" اس کی بات پہ طوبیٰ نے چور نظروں سے اسے دیکھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ اچھا پھر اس گاڑی کا کیا بنا جو میں نے اس دن پسند کی تھی؟" اور طوبیٰ اپنی جگہ پہ ساکت رہ گئی تھی۔ تو کیا وہ اس کے لیے پہلے سے ہی گاڑی لینے کا ارادہ رکھتا تھا؟ بے یقینی سے سوچتے ہوئے اس کی نظریں اپنی پلیٹ پہ جم گئی تھیں۔

"آ... ہاں، ٹھیک۔" وہ دوسری طرف کی بات سن کے گویا ہوا تھا۔ "ٹھیک ہے تم پہنچو شوروم۔ میں کچھ ہی دیر میں وہاں آتا ہوں۔" نوفل نے بات ختم کرتے ہوئے فون بند کیا تھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"جنہیں تم احسان گردانتی ہو طوبیٰ حسن، انہیں میں اپنا فرض سمجھتا ہوں اور مجھے اپنے فرائض کا بخوبی علم ہے۔ آئندہ مجھے ذلیل کرنے کی کوشش مت کرنا!" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ انتہائی سرد لہجے میں بولا تو طوبیٰ اس تمام عرصے میں پہلی بار اپنے کسی عمل کی وضاحت دینے کو بے چین ہو گئی۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے تو صرف اپنی گاڑی کا سوچ کے اسے یہاں..."

"تم نے کیا سوچا تھا کیا نہیں، مجھے اس میں رتی برابر دلچسپی نہیں۔ میں نے تم پر پہلے دن واضح کر دیا تھا کہ اپنی عزت پہ میں کوئی کامپرومائز (سمجھوتہ) نہیں کروں گا۔ کیا ثابت کرنا چاہتی تھیں تم اماں جان اور ماہ نور پہ، اپنے گھر کے ملازمین اور یہاں کے نوکروں پہ کہ میں

تمہاری ذمہ داری اٹھانے کا اہل نہیں؟ میں تمہارے لیے اپنی جیب سے ایک گاڑی تک نہیں خرید سکتا؟"

"میرا یقین کریں میں ایسا کچھ ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی۔" بے بسی سے کہتی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"یقین اور تمہارا؟" نوفل نے استہزائیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "اس کا جسے میری صورت سے نفرت ہے۔ اور جس کی نظر میں اس شادی کی کوئی اہمیت نہیں جسے یاد ہے تو صرف اپنا درد اور اپنا رد کیے جانا' باقی اسے کسی حقیقت سے کوئی سروکار نہیں۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ بولتا چلا گیا تو طوبیٰ نظریں چرانے پہ مجبور ہو گئی۔ اس کا نگاہیں چراتا نوفل جاہ کے لبوں پہ زخم خوردہ مسکراہٹ بکھیر گیا... وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے مقابل آکھڑا ہوا۔ اسے اپنے سامنے پا کے طوبیٰ کی بھنورا سی آنکھیں اس پہ جم گئی تھیں۔

"تم یقین کی دہائی دوبارہ کبھی مت دینا طوبیٰ احسن کیونکہ یہ لفظ تم جیسی بے یقین لڑکی کے منہ سے اچھا نہیں لگتا!" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ کاٹ دار لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے پلٹ گیا تو طوبیٰ کی پلکوں پہ چمکتی نمی اس کے رخساروں پہ پھسل آئی۔ اس نے شکوہ کرتی نظروں سے نوفل جاہ کی پشت کو دیکھا تھا جو لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟" نگین کی سہیلی نے اسے یوں دیکھا تھا جیسے اس کی ذہنی حالت پہ شبہ ہو۔ وہ دونوں سہیلیاں اس وقت ایک کافی شاپ میں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھی تھیں۔

"مجھے صرف یہ بتاؤ ایسی کوئی بندی ہے تمہاری نظر میں؟" اس کی بات ان سنی کیے نگین نے اپنی بات دہرائی تو عائزہ کے چہرے پہ پریشانی پھیل گئی۔

"خدا کا واسطہ ہے نگین کیوں خود کو تباہ کرنے پہ تلی ہو؟ نوفل جاہ نے اگر کسی اور کو چن لیا ہے تو تم بھی اس پہ لعنت بھیجو۔ تمہیں اچھے لڑکوں کی کمی ہے کیا؟"

"لعنت بھی بھیجوں گی مگر وقت آنے پر۔ فی الوقت تو میرا دل ہر لحہ جل رہا ہے اور یہ آگ صرف تبھی بجھے گی جب اس پہ طوبیٰ حسن کے آنسو گریں گے۔" اس کی نظروں کے سامنے دلہن بنی طوبیٰ کا سراپا لہرایا تو اس کی آنکھوں میں وحشت ناچنے لگی جسے دیکھ کر عائزہ ڈر گئی۔

"تم اپنے پاؤں پہ کلہاڑی مارنے چلی ہو۔ میں... میں آنٹی کو بتا دوں گی۔"

"میرا مرا ہوا منہ دیکھو گی اگر تم نے ایسا کچھ کیا تو!" نگین تیزی سے بولی تو عائزہ نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ لیکن اگر تمہیں بدلہ ہی لینا ہے تو کوئی اور طریقہ سوچو۔ اس میں تو..."

"عائزہ! تم میری مدد کرو گی یا نہیں؟" اس کی بات کاٹتے ہوئے نگین نے قطعی لہجے میں سوال کیا تو عائزہ اپنی بچپن کی سہیلی کو غصے سے دیکھتی سیدھی ہو بیٹھی۔

"ٹھیک ہے پھر۔ اگر تم اپنی ذات کو لے کر اتنی لاپروائی کا ثبوت دے سکتی ہو تو پھر مجھے کیا۔ دیکھتی ہوں میں کسی کو۔"

"او تھینک یو۔ تھینک یو سو مچ!" خوشی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے نگین کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ "مجھے معلوم تھا' تم میرا ساتھ کبھی نہیں چھوڑو گی۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ بڑے بھرپور انداز میں مسکرائی تو عائزہ کی نظروں میں اس کے لیے تاسف پھیل گیا۔ وہ سچ میں نوفل جاہ کے عشق میں پاگل ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسی شام چمچماتی نئی گاڑی مسز نوفل جاہ کے لیے ان کے گھر پہنچا دی گئی تھی۔ جسے دیکھ کے طوبیٰ کا دل بے اختیار بھر آیا تھا۔ نوفل نے اس کے لیے بہتر نہیں بلکہ بہترین چیز کا انتخاب کیا تھا' مگر اس انتخاب میں طوبیٰ کو محبت کے علاوہ دوسرا ہر رنگ نظر آرہا تھا۔ وہ سچ میں اپنے فرائض احسن طریقے سے نبھانا جانتا تھا' مگر طوبیٰ کا المیہ یہ تھا کہ وہ اپنا نام اس کے فرائض کی فہرست

میں نہیں بلکہ اس کے دل کی ترجیحات میں اولین درجے پہ دیکھنے کی خواہاں تھی' اور چونکہ وہ نوفل جاہ کے دل کی حقیقت سے واقف تھی اس لیے اس کا نبھایا گیا ہر فرض اسے روشنی دینے سے قاصر تھا۔ محبوب کے در سے محب کو سوائے محبت کے' باقی دنیا کی ہر نعمت ملے تو کیا ان نعمتوں میں بھی کوئی لطف کوئی خوشی محسوس کی جاسکتی ہے؟ نہیں۔ الٹا وہ آپ کے دل کو مزید بوجھل کرنے لگتی ہیں۔

نوفل جاہ کی محبت بن کے اس کی زندگی میں شامل ہونا اس کے گھر میں بسنا طوبیٰ کے لڑکپن کا خواب تھا۔ مگر اسے پا کر بھی نہ پانا اس کی بن کے بھی نہ بن پانا ایک ایسی اعصاب شکن حقیقت تھی جسے ہر آن جھیلتے جھیلتے وہ چند دنوں میں تھکن سے چور ہو گئی تھی۔

نوفل نے اس کا بینک اکاؤنٹ کھلوا کے چیک بک اور کارڈ دونوں اس کے حوالے کر دیے تھے۔ یونیورسٹی میں بھی اس کی شادی کی خبر سب میں پھیل چکی تھی۔ لہٰذا اس کی واپسی اور اپنی تعلیم مکمل کرنے کے فیصلے پر بھی ساری تعریف کا حق دار نوفل جاہ ہی ٹھہرا تھا۔ اس کی روشن خیالی اور بھرپور تعاون نے رجا' نادیہ اور اسما کے دل موہ لیے تھے۔ وہ تینوں اس کی قسمت پہ رشک کرتی نہ تھکتی تھیں اور طوبیٰ کے لیے ایسے میں اپنے لبوں پہ ایک مسکراہٹ سجانا بھی امتحان بن جاتا تھا۔

ابھی بھی وہ سب کے ساتھ کیفے ٹیریا میں بیٹھی تھی۔ جب موضوع گفتگو نوفل جاہ کی طرف مڑ گیا تھا۔ طوبیٰ کچھ دیر تو صبر سے سنتی رہی تھی اور پھر اس "نوفل نامے" سے بے زار ہو کے گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اسے یونیورسٹی آتے ہوئے ڈیڑھ ہفتہ ہونے کو تھا۔ مگر نوفل جاہ کا ذکر اور اس کے حوالے سے چھیڑ چھاڑ جیسے روز کا معمول بن چکی تھی۔

"اتنی جلدی جا رہی ہو؟" رجا نے اسے بیگ اور فائل اٹھاتے دیکھ کے اس کا چہرہ دیکھا۔ جس پہ چھائی کوفت کو وہ اس کی تھکن سمجھ کے چونک گئی تھی۔

"کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"بس یار سر میں درد ہو رہا ہے۔" اس نے یونہی ٹالنے کو بہانا بنایا تو نادیہ کے لبوں پہ شوخ سی مسکراہٹ در آئی۔

"میرے خیال میں نیند پوری نہیں ہوئی تمہاری۔" اس نے معنی خیز نظروں سے طوبیٰ کو دیکھا تو رجا اور اسما قہقہہ لگا کے ہنس پڑیں۔ جبکہ طوبیٰ کا چہرہ گلابی پڑ گیا۔

"بکو مت!" اس نے نادیہ کو آنکھیں نکالیں۔ اور اپنی چیزیں اٹھا کے آگے بڑھ گئی۔

"بات تو سنو۔" مگر وہ ان کی پکار نظر انداز کیے چلتی چلی گئی۔ ڈپارٹمنٹ سے نکل کے اس کا رخ پارکنگ لاٹ کی جانب ہو گیا تھا۔ وہ چونکہ آج یونیورسٹی کے آف ٹائمنگ سے کافی پہلے نکل آئی تھی اس لیے اس طرف اکادکا لوگوں کے سوا کوئی نہ تھا۔

اپنے دھیان میں وہ قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی جب اچانک ایک طرف سے نکل کے کوئی اس کی راہ میں آ کھڑا ہوا تھا۔ طوبیٰ بری طرح گھبرا کے پیچھے ہٹی تھی۔ اس نے بے اختیار ہی اپنا راستہ روکنے والے کی طرف دیکھا تھا اور جونہی اس کی نظر ضیا کے چہرے سے ٹکرائی تھی اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

"کیا حال ہے مسز نوفل جاہ؟" اس کی خوف زدہ آنکھوں میں جھانکتا وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا تو طوبیٰ کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے سرعت سے ایک طرف سے نکلنا چاہا لیکن ضیا نے تیزی سے اپنا بازو پھیلا کے اس کا راستہ روک دیا۔

"آ... ہاں... اتنی جلدی بھی کیا ہے؟"

"کیا بدتمیزی ہے؟ ہٹو میرے سامنے سے!" اپنی گھبراہٹ پہ قابو پاتے ہوئے اس نے کڑی نظروں سے اسے گھورا تو ضیا کی بھنویں اوپر کو اٹھ گئیں۔

"بدتمیزی؟ ابھی تو میں نے بدتمیزی شروع بھی نہیں کی۔" اس کی بات پہ طوبیٰ نے سہم کر اس کی طرف دیکھا تو وہ خباثت سے مسکرا دیا۔

"بہت حساب نکلتے ہیں میرے' تم ماں بیٹیوں کی طرف۔"

"دیکھو ضیا اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم یہاں اپنی من

مانی کے لیے آزاد ہو تو یہ تمہاری بہت بڑی بھول ہے۔ میری ایک پکار پہ یہاں دسیوں لوگ جمع ہو جائیں گے۔"

"تو پکارو نا۔ میں بھی تو یہی چاہتا ہوں کہ اس شہر میں ہر جگہ نوفل جاہ کی بیوی کا وہ تماشا لگے کہ وہ کمینہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔ طوبیٰ کی رنگت زرد پڑ گئی۔

"تم لوگوں نے جس طرح بھرے خاندان میں ہمیں ذلیل کیا ہے، جس طرح میری عزت نفس پہ وار کیا ہے۔ میں اس ذلت و رسوائی کا بدلہ لے کر رہوں گا۔ بہت برا لگتا ہوں نا میں تمہیں؟" بات کرتا وہ اچانک اس کی طرف بڑھا تو طوبیٰ متوحش سے الٹے قدموں پیچھے ہٹی لیکن ضیا نے اس کی کلائی جھٹکتے ہوئے اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے کر دی۔

"چھوڑو! چھوڑو مجھے!" وحشت زدہ پرندے کی مانند پھڑپھڑاتے ہوئے اس نے مدد طلب نظروں سے اردگرد دیکھا مگر دور تک کسی کو نہ پا کے اس کی آنکھیں مارے خوف کے برسنے لگیں۔

"او۔ اور رو کہ اب یہی رونا تمہارا مقدر بننے والا ہے۔ تمہارے اس حسن، اس نفرت کو اپنے قدموں کی دھول نہ بنایا تو ضیا علی نام نہیں۔ بتا دینا اپنے اس شوہر کو کہ اپنی خوشیوں کے دن گننا شروع کر دے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑنے والا!" اس کے چہرے پہ نظریں گاڑے وہ سفاکی سے اسے جھٹک کر آگے بڑھ گیا تو طوبیٰ اپنے کانپتے وجود کو سہارا دینے کے لیے لڑکھڑاتی ہوئی دیوار سے جا لگی۔

☆ ☆ ☆

گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے نوفل نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔ دوپہر کے دو بجنے کو تھے۔ معاً ایک خیال اس کے دل میں آیا، جس کے زیر اثر اس نے وہیں کھڑے کھڑے ماہ نور کو کال ملا لی۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو؟" اس کی زندگی سے بھرپور آواز نوفل کے کانوں سے ٹکرائی تو اس کے لب بھی بے اختیار مسکرا دیے۔

"میں ٹھیک ہوں بھائی۔ آپ سنائیں؟"

"اللہ کا شکر ہے۔ اچھا یہ بتاؤ لنچ تو نہیں کیا؟"

"ابھی تو نہیں۔" ماہ نور چونکی۔

"کرنا بھی مت۔ ہم سب آج لنچ مل کر باہر کریں گے۔"

"یاہو!" ماہ نور کا نعرہ نوفل کی مسکراہٹ گہری کر گیا۔

"تم ہاف ڈے لیو لے لو۔ میں اماں جان کو پک کر کے تمہاری طرف آتا ہوں۔"

"اور آپی؟"

"وہ اپنی گاڑی میں آ جائے گی۔ تم جگہ سوچ کے اسے انفارم کر دو۔" نوفل دروازہ کھول کے اندر بیٹھتے ہوئے بولا تو ماہ نور نے خوشی خوشی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے فون رکھ دیا۔

نوفل نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے حسن ولا کے راستے پہ ڈال دی۔ اپنی منزل پہ پہنچ کے اس نے ہارن دیا تو غیاث نے جھٹ سے گیٹ وا کر دیا۔ نوفل نے اپنے دھیان میں گاڑی آگے بڑھائی، لیکن جونہی اس کی نظر پورچ میں کھڑی طوبیٰ کی گاڑی سے ٹکرائی وہ چونک گیا۔

"طوبیٰ بی بی کب آئیں غیاث؟" باہر نکلتے ہوئے اس نے چوکیدار کی طرف دیکھا تو وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے آئی ہیں۔" اس کے جواب پہ وہ اثبات میں سر ہلاتا اندر چلا آیا۔ خلاف معمول نیچے خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ ایک نظر کچن میں جھانکتا اوپر چلا آیا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ ارحمند بیگم کو پکارتا ان کے کمرے سے آتی طوبیٰ کے رونے کی آواز سن کے وہ اپنی جگہ پہ ساکت رہ گیا۔

"اماں جان اس نے نہ صرف میرا راستہ روکا بلکہ میرا ہاتھ بھی پکڑ لیا تھا۔"

"کیا؟" پریشانی سے بیٹی کی بات سنتی ارحمند نے دہل کر اپنا کلیجہ تھام لیا جبکہ باہر کھڑے نوفل کی پیشانی شکن

آلودہ ہو گئی تھی۔ یہ کس نے طوبیٰ کے ساتھ بدتمیزی کی جرأت کی تھی؟ لب بھینچے اس نے غصے سے ایک نظر کھلے دروازے پہ ڈالی تھی۔

"تو تم نے کسی کو پکارا کیوں نہیں؟" انہوں نے بے چینی سے استفسار کیا۔

"وہاں کوئی بھی نہیں تھا اس وقت۔" اس کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز نوفل کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس کی مٹھیاں سختی سے بھینچ گئیں۔ یہ گھٹیا حرکت آخر کس کی تھی؟ نوفل کو اپنا خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارتا محسوس ہوا تھا۔

"تم۔ تم ٹھیک تو رہی نا؟ اس نے تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی تو نہیں کی؟" ارحمند کے سوال نوفل کا جود ہلا گئے۔ وہ دانت پہ دانت جمائے دروازے کے بالکل قریب آکھڑا ہوا۔

نہیں۔ لیکن اماں جان میں بہت ڈر گئی تھی۔ اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ وہ مجھے برباد کر دے گا اور اور نوفل کو۔" وہ لب دبائے ان کی گود میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تو ارحمند نے گھبرا کے اس کے وجود کو اپنے بازوؤں میں چھپا لیا۔

"اللہ نہ کرے۔ یا اللہ ہمارے حال پہ رحم کر دینا" اور نوفل کے لیے خود پہ مزید قابو پانا ممکن نہ رہا تھا۔ وہ بڑھا تھا اور کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

"کون تھا وہ؟" اس کی اچانک ابھرنے والی آواز پہ طوبیٰ اور ارحمند باقاعدہ کانپ اٹھی تھیں۔ ایک جھٹکے سے سیدھی ہوتے ہوئے طوبیٰ نے دروازے کی سمت دیکھا تھا۔ نوفل جاہ کو اپنے سامنے پا کے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ اس کی سرخ نگاہیں طوبیٰ کے بھیگے ہوئے چہرے پہ جا ٹھہری تھیں۔

"میں پوچھ رہا ہوں کون تھا وہ؟" اس کی دھاڑ در و دیوار کو لرزا گئی تھی۔ طوبیٰ کی رنگت فق ہو گئی تھی۔ ارحمند بھی بری طرح پریشان ہو گئی تھیں۔ انہوں نے نوفل کو پہلی بار اتنے غصے میں دیکھا تھا۔

"ض۔ ضیا۔" بکھرتے لہجے میں ضیا کا نام نوفل جاہ کا دماغ گھما گیا تھا۔

"اس کی تو۔" وہ دانت پیستا پلٹ کر باہر کی جانب لپکا تھا۔ اس کا رخ طوبیٰ اور ارحمند کی جان نکال لے گیا تھا۔ وہ نوفل کو پکارتی دیوانہ وار اس کے پیچھے بھاگی تھیں۔ مگر اس کے قدم ان کی ہر پکار کو نظرانداز کرتے تیزی سے اٹھتے چلے گئے تھے۔

گاڑی کے ٹائر اس کے جذبات کے زیرِ اثر بری طرح چرچرائے تھے۔ مگر وہ ہر چیز سے بے نیاز آندھی طوفان بنا وہاں سے نکل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ضیا۔ ضیا علی!" علی منزل میں اس کی آواز کی گونج دور تک سنائی دی تھی۔ ہر کوئی جہاں تھا پریشان سا اس آواز کے تعاقب میں خود ہی کھنچا چلا آیا تھا۔ سب سے پہلے باہر آنے والے علی مجتبیٰ تھے۔ نوفل جاہ کو اپنے لاؤنج میں کھڑا دیکھ کے وہ ایک پل کو حیران اور پھر بے تحاشا غصے میں آ گئے تھے۔

"تم! تمہاری جرأت کیسے ہوئی میرے گھر میں قدم رکھنے کی؟" تیز قدموں سے چلتے وہ اس کے مقابل آ کھڑے ہوئے تو نوفل کی تند نگاہیں ان کے چہرے پر آ ٹھہریں۔ اس دوران تائی جان سمیت ان کی بہو بیٹیاں اور **عصمی** پھپھو، جو اتفاقاً آج بھائی کے گھر آئی ہوئی تھیں، وہاں پہنچ گئی تھیں۔ نوفل کو دیکھ کے ان سب کی بھی وہی کیفیت ہوئی تھی جو تایا جان کی تھی۔

"ضیا کہاں ہے؟" علی صاحب کے غصے کو خاطر میں لائے بنا وہ سرد لہجے میں بولا تو اس کا نہیں یوں نظرانداز کرنا جلتی پہ تیل کا کام کر گیا۔

"میں نے پوچھا ہے کہ تمہاری جرأت۔"

"ضیا کہاں ہے؟" وہ ان سے بھی بلند آواز میں چلایا تو سب کے ساتھ ساتھ علی مجتبیٰ بھی دنگ رہ گئے۔ اسی وقت لاؤنج کا داخلی دروازہ کھول کے ضیا اپنے دھیان میں اندر داخل ہوا تھا۔ لیکن جونہی اس کی نظر نوفل جاہ پہ پڑی تھی وہ حیرت کی زیادتی کے باعث بوکھلا گیا تھا۔ نوفل جاہ اتنی جلدی اور اتنی اچانک وارد ہو جائے گا اسے اندازہ نہ تھا۔

ضیا کے چہرے پہ نظر پڑتے ہی نوفل عقاب کی طرح پلٹ کر اس پر جھپٹا تھا اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی اس نے کھینچ کر ایک گھونسا اس کے منہ پہ جڑ دیا تھا۔ ساری خواتین خوف زدہ ہو کے چلائی تھیں۔ نوفل نے دوسرا ہاتھ بھی اسی طاقت سے مارا تھا۔

"تمہاری اتنی جرات کہ تم نے میری بیوی کا ہاتھ پکڑا، اس کا راستہ روکا!" نوفل کا چہرہ شدت غضب سے دہک رہا تھا۔ علی مجتبیٰ بیٹے کو بچانے کے لیے آگے بڑھے تھے۔ مگر اسے نوفل کے عتاب سے بچانا تو دور وہ اس کے قریب بھی نہ پھٹک پائے تھے۔

ضیا البتہ دو ہاتھ پڑنے کے بعد خود کو سنبھال کر نوفل پہ حملہ آور ہوا تھا۔ اس کا ہاتھ بھی نوفل کے چہرے پہ پڑا تھا۔

"مجھے پتا تھا کہ تمہاری دم پہ پاؤں ضرور آئے گا۔ ابھی تو میں نے صرف ہاتھ پکڑا ہے۔ اس کمینی کو تو اگر میں نے اپنی....." اور نوفل کو تو جیسے کسی نے شعلہ دکھا دیا تھا۔ وہ بھڑکا تھا اور ایسا بھڑکا تھا کہ اس نے ضیا کو دھنک کے رکھ دیا تھا۔ اس دوران نجانے کون ملازموں کو بلا لایا تھا۔ جنہوں نے کھینچ تان کے اسے نوفل کے شکنجے سے آزاد کروایا تھا۔ ضیا زخموں سے چور زمین پہ گر گیا تھا۔

نوفل نے تیزی سے چلتی سانس کے درمیان اپنے لبوں سے بہتا خون صاف کیا تھا۔

"یاد رکھنا ضیا علی۔ دوبارہ اگر تم نے میری بیوی کا نام بھی اپنی گندی زبان سے لیا تو میں تمہیں چیر کے رکھ دوں گا!" نفرت بھری نگاہ اس کے چہرے پہ ڈالتا وہ بت بنے گھر والوں کی طرف پلٹا تھا۔

"اور آپ سب بھی آج میری یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ میں احمر حسن نہیں نوفل جاہ ہوں۔ عزت و غیرت کے نام پہ میں جان دینا اور لینا دونوں جانتا ہوں۔ آئندہ اگر آپ میں سے کوئی میری فیملی کے قریب بھی پھٹکا تو میں آپ کے خاندان کی بنیادیں ہلا کر رکھ دوں گا۔ یاد رکھنا علی مجتبیٰ کہ میں تمہارے اور تمہارے بیٹوں کے ٹیکس گھپلوں سے لے کر غیر قانونی پراپرٹی تک ہر چیز سے واقف ہوں اور آج سے نہیں عرصہ دراز سے واقف ہوں۔ مجھ سے دشمنی تم لوگوں کو بہت مہنگی پڑے گی۔ اس لیے میری فیملی سے دور رہنا!" انگلی اٹھائے وہ اپنی بات مکمل کرتا مضبوط قدموں سے نکلتا چلا گیا تو علی مجتبیٰ قہر برساتی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئے۔

وہ ان کے ملازمین کے سامنے ان کے گھر میں آکے ان کی عزت دو ٹکے کی کر گیا تھا۔ مگر یہ بھی سچ تھا کہ نوفل جاہ ان کے بخیے ادھیڑنے کی پوری طاقت رکھتا تھا اور عقل مندی کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اور ان کے بیٹے خاص طور پہ ضیا اب اس باب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیتے۔

✡ ✡ ✡

نوفل کی حسن ولا میں واپسی ایک کہرام مچا گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں سے بہتا خون اور چہرے پہ لگی چوٹ طوبیٰ کے پیروں تلے سے زمین نکال گئی تھی۔ ماہ نور بھی ماں کی کال پہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے گھر پہنچ چکی تھی۔

ارحمند کی ہدایت پہ طوبیٰ نے خود اس کے ہونٹوں اور گردن پہ آئے زخم صاف کر کے دوا لگائی تھی۔ اس کی لرزتی انگلیوں کا لمس نوفل کے غصے کو ہوا دے گیا تھا۔ اگر ارحمند اور ماہ نور نہ ہوتیں تو وہ اس کا ہاتھ جھٹکنے میں لمحہ نہ لگاتا۔ اسے طوبیٰ کی ہمدردی کی ضرورت نہیں تھی۔

دوا لگوا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ان تینوں کو اس بات کا ذکر کراچی تک پہنچانے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔ ارحمند کے روکنے کے باوجود وہ طوبیٰ کی طرف دیکھے بنا باہر نکل گیا تھا۔ اس کا اجنبی انداز طوبیٰ کی آنکھیں نئے سرے سے بھر لایا تھا۔ وہ چپ چاپ جا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ اس وقت اسے سوائے نوفل کے زخموں کے اور کسی بات کا دھیان نہیں رہا تھا۔ سارا راستہ شدید پریشانی کے عالم میں طے ہوا تھا۔ ضیا اور نوفل کے درمیان کیا ہوا تھا کیا نہیں وہ سوچ

سوچ کے ہولتی رہی تھی۔ یہ فکر الگ کھائے جا رہی تھی کہ پتا نہیں نوفل حسن ولا سے نکل کر گھر گیا بھی تھا یا نہیں؟

لیکن اپنے گھر کے پورچ میں نوفل کی گاڑی دیکھ کے اس نے بے اختیار شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ وہ تیز قدموں سے سیدھی اپنے کمرے کی طرف چلی آئی تھی اور عجلت میں دروازہ کھول کے اندر داخل ہوگئی تھی۔

مگر جونہی اس کی نگاہ نوفل سے ٹکرائی تھی وہ بری طرح شرمندہ ہوگئی تھی۔ وہ شرٹ کے بغیر فون پہ کسی سے گفتگو میں مصروف تھا۔ نظروں کے ٹکراؤ نے نوفل کی پیشانی پہ بل ڈال دیے تھے۔

طوبیٰ خجل سی واپس پلٹنے کو تھی کہ تبھی اس کی نظر نوفل کی چوڑی پشت پہ لگے زخم اور اس کے گرد جمے خون پہ جا ٹھہری تھی۔ وہ پریشان سی اپنی جگہ پہ رک گئی تھی۔ اسے رکتا دیکھ کے نوفل نے ایک سرد نگاہ اس پہ ڈالی تھی اور دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"نہیں میں نہیں چاہتا کہ ضیا کی دوبارہ اتنی جرات ہو۔ اس لیے آج ہی ان باپ بیٹوں کو تھانے بلواؤ اور ایسے کان کھولو کہ اگلی بار یہ ایسی کسی بے ہودہ حرکت سے پہلے دس بار سوچے۔" وہ اپنے کالج کے دوست سلمان سے مخاطب تھا جو آج کل پولیس ڈپارٹمنٹ میں ایک بڑے عہدے پہ تعینات تھا۔ طوبیٰ غیر ارادی طور پہ اس کی گفتگو کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

"میں نے اس گھٹیا انسان کو ایسا سبق سکھایا ہے کہ ساری زندگی یاد رکھے گا۔" نوفل کی بات اسے چونکا گئی تھی۔ بے اختیاری کے عالم میں اس نے نوفل کے چہرے کی طرف دیکھا تھا جو اب بھی اس سے بے نیاز تھا۔ لیکن اس کے باوجود یکایک اس کا وجود طوبیٰ کو ایک ایسی آہنی دیوار کی مانند لگنے لگا تھا جو ان کے اور زمانے کے سرد و گرم کے درمیان تن کے کھڑی تھی جس کے ہوتے ہوئے اللہ کے حکم سے کوئی انہیں نقصان پہنچانا تو دور چھو بھی نہیں سکتا تھا۔ بے اختیار ایک تحفظ کا احساس اسے اپنے اندر سرایت کرتا محسوس ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں اس کی ساری تفصیل سینڈ کرتا ہوں۔" نوفل اس کے احساسات سے انجان بولتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ رابطہ منقطع کرتے ہی اس نے ایک میسج لکھ کر بھیجا تھا اور پھر فون ایک طرف ڈالتا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اس دوران اس نے ایک بار بھی طوبیٰ کی طرف نہیں دیکھا تھا یوں جیسے وہ کمرے میں موجود ہی نہ ہو۔

اسے زخم کا معائنہ کرتے دیکھ کے وہ خود ہی اس کی جانب چلی آئی تھی۔

"ٹھہریں میں ڈیٹول لاتی ہوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔" اس کا سرد لہجہ طوبیٰ کو اسے دیکھنے پر مجبور کر گیا۔

نوفل خود ہی جا کر باتھ روم سے ڈیٹول اور روئی لے آیا۔ اسے بدقت تمام زخم پہ دوا لگاتا دیکھ کے طوبیٰ خود کو آگے بڑھنے سے روک نہیں پائی تھی۔

"لائیں میں لگا دوں۔"

"دور رہو۔" اس نے تنبیہی انداز میں اسے دیکھا۔

"دیکھیں آپ سے نہیں..." بولتے ہوئے اس نے جونہی نوفل کے ہاتھ سے روئی لینا چاہی اس نے غراتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی بوتل دیوار پہ دے ماری۔

طوبیٰ سہم کے الماری سے جا لگی۔

"کیا سمجھتی ہو تم خود کو.... ہاں؟" اس کے دائیں بائیں بازو جمائے وہ دانت پیس کر بولا تو طوبیٰ کی آنکھیں مارے دہشت کے اس کے دہکتے چہرے پہ جم گئیں۔

"جب جی چاہے گا انسانیت کے جامے میں آ جاؤ گی اور جب جی چاہے گا ایک غیرت مند باپ کی بیٹی کا دعوا کر کے مجھے نیچا دکھانے کھڑی ہو جاؤ گی؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ غضب ناک لہجے میں بولا۔ طوبیٰ کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی۔

"مگر میں تمہارے دوغلے رویوں کے تابع نہیں ہو سکتا۔ میرے خلاف اگر تم نے نفرت اور بدگمانی کا علم بلند کیا ہے نا تو اب ساری زندگی اسے ہی اٹھائے رکھنا۔ خبردار جو کبھی کسی موڑ پہ مجھ سے ہمدردی جتانے کی کوشش کی۔ مجھے تمہاری خیرات کی ضرورت

نہیں!" سخت نظروں سے اسے دیکھتا وہ پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا تو طوبیٰ بے اختیار سسک اٹھی۔ نجانے کیوں لیکن کچھ غلط ہو جانے کا احساس اس کے اندر بہت شدت سے جاگا تھا۔

✡ ✡ ✡

دوپہر سے شام اور شام سے رات ہونے کو تھی مگر نوفل اس کمرے سے نہیں نکلا تھا، جہاں وہ غصے میں گیا تھا۔ طوبیٰ جلے پیر کی بلی بنی باہر چکراتی رہی تھی اس دوران ارجمند کی بھی دو تین کالز آچکی تھیں۔ اس نے انہیں تو مطمئن کر دیا تھا، مگر اب خود اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ صبح کا بھوکا پیاسا بغیر کوئی دوا لیے اندر بند پڑا تھا۔ تنگ آکر طوبیٰ نے گھر کی چابیوں سے دروازہ کھولنے کا ارادہ کیا تھا۔

آہستگی سے دروازہ کھولتے ہوئے اس نے اندر جھانکا تھا۔ کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ دبے قدموں سے چلتی سوئچ بورڈ کی طرف آئی تھی اور جھجکتے ہوئے لائٹ جلا دی تھی۔ روشنی کی پھیلتے ہی منظر واضح ہو گیا تھا۔ نوفل بغیر شرٹ کے بیڈ پہ اوندھا پڑا تھا۔ اس کی پشت پہ لگی چوٹ کے گرد اچھا خاصا نیل واضح ہو گیا تھا۔ اس کا رخ چونکہ دوسری طرف تھا اس لیے طوبیٰ بنا آہٹ کیے اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

"ن..... نوفل!" اس نے زندگی میں پہلی بار اسے اس کے نام سے پکارا تھا۔ زبان نا چاہتے ہوئے بھی لڑکھڑا گئی تھی۔ مگر سوئے ہوئے نوفل پہ کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ ناچار طوبیٰ کو آگے آنا پڑا تھا۔

"نوفل۔ اٹھیں کچھ کھا لیں پلیز۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی تھی، لیکن وہ یونہی بے سدھ پڑا رہا تھا۔ طوبیٰ کو عجیب سا احساس ہوا تھا۔ ساری ہچکچاہٹ ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے اس کے شانے کو چھوا تھا اور بری طرح گھبرا گئی تھی۔ وہ بخار میں جل رہا تھا۔

"نوفل!" پریشانی سے اسے پکارتے ہوئے اس نے اس کا بازو پھیلایا تھا۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔ طوبیٰ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

وہ سیدھا باہر کی طرف بھاگی تھی۔ شفیق کو ڈاکٹر کو لانے کا کہہ کر وہ کچن میں آئی تھی۔ ایک پیالے میں ٹھنڈا پانی ڈال کر اس نے وہیں سے دو نیپکن پکڑے تھے اور تیز قدموں سے واپس کمرے میں چلی آئی تھی۔

اس کے سرہانے بیٹھ کر اسے سیدھا کرتے ہوئے طوبیٰ کی آنکھیں بے اختیار بھر آئی تھیں۔ وہ بالکل بے سدھ پڑا تھا۔ اسے یوں ہوش و حواس سے بیگانہ دیکھ کے طوبیٰ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ اس کا ہونٹ سوجھ کے نیلا ہو گیا تھا۔ چہرے اور گردن پہ بھی چوٹ کے نشانات واضح ہو گئے تھے۔

طوبیٰ نے بے اختیار اپنا لب کاٹ ڈالا تھا۔ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا تھا۔ بے آواز آنسو بہاتی وہ اسے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کرنے لگی تھی۔ چونکہ یہ ڈاکٹرز کی کالونی تھی اس لیے شفیق دس منٹ میں ہی برابر والے گھر سے ڈاکٹر عاصم کو لے آیا تھا۔

نوفل کے چیک اپ کے بعد انہوں نے سب سے پہلے اس کے زخموں کی ڈریسنگ کی تھی۔ انجکشن لگانے اور نسخہ لکھنے کے بعد انہوں نے طوبیٰ کو چند ہدایات دی تھیں اور پھر اسے تسلی دیتے ہوئے صبح آنے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد طوبیٰ نے سب سے پہلے اسے شرٹ پہنائی تھی۔ اس کوشش میں اسے دانتوں تلے پسینہ آگیا تھا۔ مگر وہ ہمت سے اپنے کام میں لگی رہی تھی۔

نماز کے ساتھ اس کی صحت کے لیے نفل ادا کر کے دعا مانگتے ہوئے وہ ایک بار پھر بے اختیاری کے عالم میں رو پڑی تھی۔ کیوں؟ وہ خود نہیں جانتی تھی۔

✡ ✡ ✡

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب نوفل کی آنکھ کھلی تھی۔ اس کا جسم اور سر بری طرح دکھ رہا تھا اور حلق میں پیاس کی شدت سے کانٹے سے پڑ رہے تھے۔

اپنے خشک لبوں پہ زبان پھیرتے ہوئے اس نے اٹھنے کی کوشش میں خود کو جنبش دینا چاہی تھی لیکن اپنے دائیں ہاتھ پہ ایک عجیب سا احساس پا کے وہ الجھ گیا تھا۔

بے اختیار گردن موڑتے ہوئے اس نے اپنی دائیں طرف دیکھا تھا اور ٹھٹک رہ گیا تھا۔ سائڈ ٹیبل پہ جلتے لیمپ کی روشنی سیدھی کارپٹ پہ بیٹھے وجود پہ پڑ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دبا اپنا ہاتھ دیکھ کے نوفل ایک لمحے کے لیے پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا۔ اپنی پیشانی گھٹنوں پہ ٹکائے وہ شاید بیٹھے بیٹھے ہی سو گئی تھی۔

اک گہری سانس لیتے ہوئے نوفل نے اپنا رخ موڑ لیا تھا۔

چھت کو ایک ٹک تکتے ہوئے وہ کتنی دیر یونہی بے حس و حرکت پڑا رہا تھا۔ مگر جب پیاس کی شدت سوا ہو گئی تھی تب مجبوراً اسے اٹھنا پڑا تھا۔ اس کی پوری کوشش کے باوجود اس کا ہاتھ ہل گیا تھا اور طوبیٰ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی تھی۔

"آپ.... آپ کو ہوش آگیا؟" اسے اٹھتا دیکھ کر وہ بے قرار سی اپنی جگہ سے اٹھی تو نوفل نے اس بے تکے سوال کے باوجود اس کی تسلی کو اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" اس کی زبان سے نکلنے والا شکرانہ بے اختیار تھا۔ اور ایسا ہی غیر ارادی اس کا اگلا قدم بھی تھا مگر نوفل اپنی جگہ حیران رہ گیا تھا۔

"شکر ہے، بخار نہیں ہے اس وقت۔" اس کی پیشانی سے ہاتھ ہٹاتی وہ اپنے دھیان میں بولی تو اس کے چہرے پہ بکھرتا اطمینان نوفل کو نظریں چرانے پہ مجبور کر گیا۔

"پانی پلاؤ مجھے۔" اس کے کہنے پہ اس نے جھٹ پانی کا گلاس بھر دیا۔

"لائیں میں پلا...." اپنے الفاظ اسے بے اختیار کل دوپہر کے واقعے کی یاد دلا گئے تو وہ جھجک کے نوفل کو تکتی خاموش ہو گئی۔ اس کے گلاس آگے بڑھانے پہ نوفل نے چپ چاپ گلاس تھام لیا۔

"آپ کے لیے کچھ کھانے کو لاؤں؟" خالی گلاس لیتے ہوئے اس نے نوفل کی طرف دیکھا تو وہ نفی میں سر ہلاتا پشت پہ رکھے تکیوں کے سہارے نیم دراز ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر پیٹھ کا زخم اس کوشش میں حائل تھا۔

اس کے چہرے پہ تکلیف کے آثار دیکھ کے طوبیٰ خود کو آگے بڑھنے سے روک نہیں پائی تھی۔ اور عجیب بات یہ تھی کہ نوفل نے بھی اسے کچھ نہیں کہا تھا۔

اس کے تکیے برابر کر کے پیچھے ہٹنے پر وہ خاموشی سے لیٹ گیا تھا۔ اس کی انگلیاں اپنی دکھتی کنپٹیاں سہلانے لگی تھیں۔ تبھی اسے اپنی پیشانی پہ ایک نرم ٹھنڈے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا تھا۔ نوفل کی آنکھیں ایک جھٹکے سے کھل گئی تھیں۔

طوبیٰ کو اپنی دوسری طرف بیڈ پہ بیٹھا دیکھ کے وہ ایک پل کے لیے ساکت رہ گیا تھا۔ نگاہوں کے تصادم پہ طوبیٰ نے دھیرے سے نظریں چرالی تھیں۔ نوفل چند لمحے اسے تکتا رہا تھا اور پھر خاموشی سے پلکیں موند گیا تھا۔

اس حادثے کے بعد بظاہر کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ لیکن کچھ تھا جس نے ان دونوں کے درمیان تنی رشتے کی ڈور کو بڑے غیر محسوس انداز میں نرم کر دیا تھا۔ یوں کہ انہیں پتا بھی نہیں چلا تھا اور زندگی سہل ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

طوبیٰ لان میں کتابیں پھیلائے پڑھائی میں مصروف تھی۔ اگلے ہفتے سے اس کے امتحان شروع ہو رہے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ آج کل گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ گو کہ ارجمند روزانہ کی بنیاد پہ خود ان کا کھانا بنا کے بھیج رہی تھیں۔ مگر گھر اور اس کی ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کر لینا اس کے بس میں نہیں تھا۔

ابھی بھی وہ رانی سے چائے بنا کے نوفل کو دینے کا کہہ کر لان میں آئی تھی۔

اسے بیٹھ کر پڑھتے ہوئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی جب نوفل چائے کا مگ اٹھائے، فون پر بات کرتا باہر

چلا آیا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ اچھا لیں آپ خود بات کر لیں۔" طوبیٰ کی طرف آتے ہوئے اس نے فون اس کی جانب بڑھایا تو طوبیٰ نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"امی۔" نوفل کے جواب پہ اس نے سرعت سے موبائل اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"السلام علیکم امی جان، کیسی ہیں آپ؟" وہ خوش دلی سے گویا ہوئی تو نوفل بے اختیار چونک گیا۔ یہ امی کب آنٹی سے اس کی امی کے عہدے پہ فائز ہوئی تھیں؟ طوبیٰ کو تکتے ہوئے اس نے تعجب سے سوچا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ بتائیں ہمارے پاس کب آرہی ہیں؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی تو نوفل اس کے گلابی لبوں سے نگاہیں چھڑاتا پلٹ کر لان میں ٹہلنے لگا۔

"میں نہیں آؤں گی۔ تم لوگ آؤ گے۔ فہد کا آسٹریلیا کا ویزا لگ گیا ہے اور زہرہ بہن چاہتی ہیں کہ وہ شادی کر کے جائے' تاکہ صخی کو بلانے میں کوئی مشکل نہ ہو۔"

"سچ!" وہ خوشی سے چہکی "یہ تو بہت اچھی خبر ہے امی۔ کب تک شادی کا ارادہ ہے۔"

"ایک ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر چاہ رہی ہیں۔ تم لوگ آجاؤ گے تو تاریخ طے کریں گے۔ مگر نوفل کہہ رہا ہے کہ تم نہیں آسکتی اس کے ساتھ؟"

"کب کا پروگرام ہے ان کا؟" اس کی خفگی بھری نظریں دور ٹہلتے نوفل جاہ پہ جا ٹھہریں۔

"اگلے ہفتے کا۔"

"پھر تو وہ صحیح کہہ رہے ہیں۔ میرے پیپرز شروع ہو رہے ہیں امی۔" وہ بے چارگی سے بولی تو صباحت کا موڈ آف ہو گیا۔

"ایک تو یہ تم لوگوں کی فضول کی مصروفیات ہے۔ بجائے یہ کہ تم مجھے دادی بننے کی خوش خبری سناؤ' تم مجھے پرچوں کی تاریخیں بتا رہی ہو۔" وہ خفگی سے بولیں

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت-/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ----------	-/350 روپے
3 بوتلوں کے لئے ----------	-/500 روپے
6 بوتلوں کے لئے ----------	-/1000 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

تو طوبیٰ کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اس نے گھبرا کے نوفل کی طرف دیکھا۔ جو مالی سے بات کر رہا تھا۔

"امی آپ بھی نا۔۔۔" وہ بس یہی کہہ پائی تھی۔

"کیا آپ بھی۔" صباحت مسکرائیں۔ "میں تو کب سے اس مبارک دن کا انتظار کر رہی ہوں' جب تم لوگ مجھے یہ خبر سناؤ گے۔"

"اچھا بس میں اب فون بند کر رہی ہوں۔" وہ خفت زدہ سی بولی تھی۔ صباحت قہقہہ لگا کے ہنس پڑیں۔

"بے شک بند کر دو۔ مگر ایک بات تم بھی کان کھول کے سن لو اور اس نالائق کو بھی بتا دو۔ مجھے جلد از جلد اللہ کے حکم سے یہ خوشی کی خبر چاہیے۔ سمجھ گئی نا؟" وہ شرارت سے بولیں تو طوبیٰ مارے شرمندگی کے کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔

نوفل مالی سے بات کر کے پلٹا تو اسے یوں ٹماٹر بنا دیکھ کے بے اختیار چونک گیا۔ اسے اپنی طرف آتا دیکھ کے طوبیٰ نے الوداعی کلمات کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

"آں۔ وہ۔ امی بتا رہی تھیں کہ آپ اگلے ہفتے کراچی جا رہے ہیں؟" خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے بات بنائی تو نوفل نے اس کے چہرے کی سرخی کو تکتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تم اگر تھوڑی دیر کے لیے ٹائم نکال سکتی ہو تو میرے ساتھ بازار چلو۔ مجھے ماہ نور کے لیے گفٹ لینا ہے۔ لیکن چونکہ مجھے اس کی پسند کا اندازہ نہیں' اس لیے تم چل کے دیکھ لو۔" اس کی بات پہ طوبیٰ کو جھٹکا سا لگا۔

"اوہ نو! ماہ نور کی تو پرسوں سالگرہ ہے۔ میں تو بالکل بھولی ہوئی تھی۔"

"تمہاری یادداشت کے کیا کہنے تم تو بہت کچھ بھول چکی ہو۔" نوفل نے استہزائیہ انداز میں ہنکارا بھرا۔

"کیا مطلب؟" وہ ٹھٹکی۔

"کچھ نہیں۔ چلنے کی تیاری کرو۔ مجھے اس کے لیے کیک کا آرڈر بھی دینا ہے۔" اپنی بات مکمل کرتا وہ پلٹ کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ تو طوبیٰ کی خاموش نگاہیں اس کی پشت پہ جا ٹھہریں۔

☆ ☆ ☆

ماہ نور کی آنکھ پھولوں کی دل فریب خوشبو سے کھلی تھی۔ مندی مندی آنکھیں کھولتے ہوئے اس نے تکیے سے سر اٹھا کے اپنے اردگرد دیکھا تھا۔ اور تبھی اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پہ پڑے بے حد خوب صورت اور بڑے سے بکے سے ٹکرائی تھی۔ اس کی الجھن خوش گوار حیرت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ وہ بے اختیار اٹھ بیٹھی تھی۔

پھولوں کو اٹھاتے ہوئے اس نے میکانکی انداز میں انہیں سونگھا تھا۔ اور پھر کسی نام پتے کی تلاش میں ان کے اندر باہر حتی کہ سائیڈ ٹیبل پہ بھی دیکھ چھوڑا تھا۔ مگر کوئی کارڈ' کوئی چٹ نظر نہیں آئی تھی۔ بالآخر ارحمند سے پوچھنے کا سوچ کر وہ پھولوں کو واپس رکھتی اپنے بال سمیٹنے لگی تھی۔ تبھی اس کا موبائل بج اٹھا تھا۔

اسکرین پہ انجانا نمبر دیکھ کے وہ ایک لمحے کے لیے جھجکی تھی مگر پھر اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے راپنزل!" اس کے "ہیلو" کے جواب میں ایک گمبھیر لہجہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا تو ماہ نور کا دل خوش گوار حیرت کے زیر اثر دھڑک اٹھا۔

"تھینک یو۔ لیکن آپ نے میرا نمبر کہاں سے لیا؟"

"چاہ ہونی چاہیے میڈم۔ باقی سارے کام خود بہ خود آسان ہو جاتے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تو ماہ نور کے لب بھی مسکرا دیے۔

"اچھا یہ بتاؤ پھول کیسے لگے؟"

"یہ آپ نے بھیجے ہیں؟" ماہ نور کی حیرت بھری نظریں پھولوں پر آ ٹھہریں۔

"بالکل۔۔۔ وہ اور بات ہے کہ ضحیٰ کے نام سے بھیجے ہیں۔" وہ شرارت سے بولا تو ماہ نور کھلکھلا کے ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی کی آواز محب کے کانوں میں رس گھول گئی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے چھم سے ماہ نور کا روشنیاں بکھیرتا خوب صورت چہرہ آ ٹھہرا جب وہ

اس کے مقابل کھڑی تھی۔
"تمہاری ہنسی بہت خوب صورت ہے۔" اس نے دھیرے سے دل کی بات آج برملا کہہ دی تو ماہ نور کی ہنسی کو بریک لگ گئی۔
"میرے خیال میں ہمیں نے تعریف کی تھی۔" اس نے شوخی سے چھیڑا۔ ماہ نور کی پلکیں جھک گئیں۔
"تھینک یو۔ پھولوں کے لیے بھی بہت شکریہ۔"
"نو پلیز۔" وہ لمحے بھر کو خاموش ہوا۔ "دیکھو ماہ نور مجھے بات گھمانی پھرانی نہیں آتی۔ کیونکہ میں ایک کھرا بندہ ہوں اور سیدھی بات پسند کرتا ہوں۔ تم بھی پلیز میری بات کا جواب بغیر کسی ہچکچاہٹ کے پوری ایمان داری سے دینا۔" اور ماہ نور حسن کا دل اچھل کے حلق میں آگیا۔ کیا جو وہ سمجھ رہی تھی محب جاہ وہی کہنے والا تھا؟ اس کی دھڑکن یک لخت تیز ہوگئی۔
"ماہ نور تم مجھے بہت اچھی لگی ہو۔ کیا تم مجھ سے شادی کروگی؟" اور ماہ نور کی سانس رک گئی۔ وہ کوئی بچی نہیں تھی جو اس کی نگاہوں کے بدلتے رنگ پہچان نہیں سکی تھی۔ مگر یہ رنگ اتنے کھرے اور گہرے تھے اس بات کا اسے اندازہ نہ تھا۔
"ماہ نور!" اس کی خاموشی سے گھبرا کے محب نے اسے پکارا تو وہ ایک گہری سانس لیتی اپنی ہمت مجتمع کرنے لگی۔
"میری قسمت کے فیصلے کا اختیار اماں جان کو ہے اگر انہوں نے آپ کے رشتے کو قبول کرلیا تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" قرینے سے کہتی وہ محب جاہ کے اندر پھول ہی پھول کھلا گئی۔
"یعنی آپ کو بھی ہم برے نہیں لگتے۔" وہ دھیرے سے ہنسا تو ماہ نور کے لبوں پہ جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ آٹھہری۔ "چلیں پھر آپ کو باضابطہ طور پر اپنے نام کرنے کا بندوبست کرتے ہیں۔" شوخی سے کہتا وہ ماہ نور کا چہرہ گلابی کرگیا۔
"اب اللہ حافظ تو کہہ دو یار۔" اس کی شرارت بھری ہنسی گونجی تو ماہ نور شرمندہ ہوگئی۔

"اللہ حافظ۔"
"اپنا خیال رکھنا۔"
"آپ بھی۔" دھیرے سے کہتی وہ محب جاہ کے دل کے تار چھیڑ گئی تھی۔ گو کہ وہ ابھی بہت سی باتوں کا خواہش مند تھا، لیکن ماہ نور کی کیفیت کے پیش نظر اس نے رابطہ منقطع کردیا تھا۔
فون بند کرتے ہوئے ماہ نور نے بے یقینی سے پھولوں کو دیکھا تھا۔ کیا ابھی ابھی اس نے جو کچھ سنا تھا وہ حقیقت تھی؟ حیرت سے پلکیں جھپکتے ہوئے اس نے اپنے بازو پہ چٹکی کاٹی تھی۔ جو کچھ زیادہ ہی زور سے کٹ گئی تھی۔ لیکن "سی" کی آواز کے ساتھ ہی اس کے لب کھل اٹھے تھے۔ جھومتے دل کے ساتھ وہ پھولوں کو بانہوں میں سمیٹتے تکیے پہ گر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

نوفل کی کراچی روانگی کا دن پلک جھپکتے میں آگیا تھا۔ "حسن ولا" سے نکلنے سے پہلے وہ غیاث کو لمبی چوڑی ہدایات دینا نہیں بھولا تھا۔ طلال، ارجمند اور ماہ

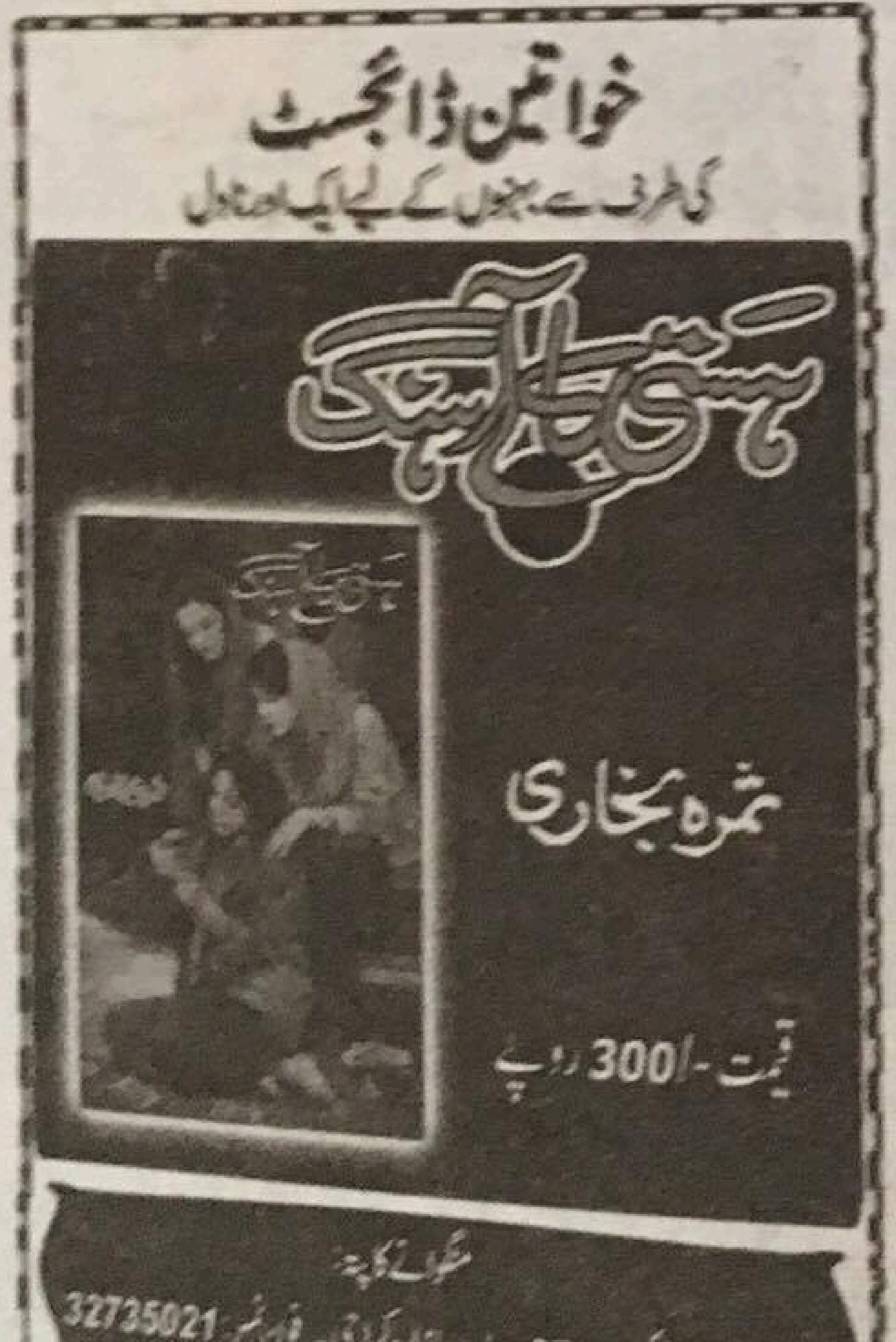

نور کے ساتھ اسے ایئرپورٹ چھوڑنے آئی تھی۔ ایک عجیب سا احساس تھا جو اسے صبح سے اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔ اپنے اس احساس کو وہ خود بھی کوئی نام دینے سے قاصر تھی۔ شاید یہ دو ڈھائی ماہ کے ساتھ کا اثر تھا جو وہ ایک انجانے سے خالی پن کو اپنے دل کے در و دیوار پہ اترتا محسوس کر رہی تھی۔ وگرنہ اس کے علاوہ اور کیا وجہ ہو سکتی تھی نوفل جاہ کے لیے کچھ محسوس کرنے کی؟ بے دھیانی میں اس پہ نگاہیں جمائے طوبیٰ نے اپنے اس احساس کی توجیہہ تلاش کرنا چاہی تھی۔

نوفل، اماں جان اور ماہ نور سے مل کے اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ میرا ہونا نہ ہونا تمہارے لیے برابر ہے پھر بھی میں چاہوں گا کہ تم اپنا خیال رکھنا۔ تنہا کہیں مت آنا جانا۔ جہاں بھی جانا ڈرائیور کو ساتھ لے کے جانا۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ دھیرے سے بولا تو طوبیٰ کو آنسوؤں کا گولا اپنے حلق میں پھنستا محسوس ہوا۔

"یہ... یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟" اپنے اندر اٹکے آنسو زبردستی نیچے اتارتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ نوفل جاہ کی نظریں اس کی نظروں سے بندھ سی گئی تھیں۔

"فی امان اللہ!" اس کے لبوں نے جنبش کی تو طوبیٰ کا دل چاہا کہ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے جانے سے روک دے۔ یا پھر خود بھی اس کے ساتھ اڑ جائے۔

"اللہ حافظ۔" بامشکل تمام اس سے نگاہیں چراتی وہ دھیرے سے بولی تھی۔ اس کے چہرے کو تکتے ہوئے نوفل نے کچھ کہنا چاہا تھا، مگر پھر لب بھینچے پلٹ کر اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اسے خود سے دور جاتا دیکھ کر طوبیٰ نے تڑپ کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ لیکن وہ بنا پلٹے آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ طوبیٰ کی اداس نظروں کے سامنے سے اوجھل ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

نگین نے بے یقینی سے ہاتھ میں پکڑے لفافے کو دیکھا تھا۔ "ہو گیا؟" اس نے عائزہ کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" وہ کرسی سنبھالتے ہوئے بولی تو نگین کے چہرے پہ دبا دبا سا جوش پھیل گیا۔ تیزی سے لفافہ کھولتے ہوئے اس نے اندر موجود کاغذ نکالا اور پوری توجہ سے اسے پڑھنے لگی۔

"زبردست! تم نے تو کمال کر دیا میری جان!" خوشی سے جھومتے ہوئے اس نے پاس بیٹھی عائزہ کو خود سے لگا لیا تو وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"اب کیا کرو گی؟" عائزہ الگ ہوتے ہوئے بولی۔ تو نگین زہر خند سی مسکرا دی۔

"میں طوبیٰ حسن کا اپنے گھر لوٹنے کا انتظار کروں گی۔" وہ دونوں جانتی تھیں کہ نوفل آج کل شہر سے باہر اور طوبیٰ "حسن ولا" میں تھی۔

"اور گھر وہ نوفل کے ساتھ ہی گھر لوٹی تو...؟"

"بے فکر رہو۔ میں نے شفیق سے کہہ دیا ہے۔ وہ اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی گھر آئے گی تو وہ مجھے اطلاع کر دے گا۔"

"مجھے بس ایک بات کا ڈر ہے۔ کہیں یہ شفیق زبان نہ کھول دے کہ ہم اس سے مخبری کرواتے رہے ہیں۔"

"پیسے میں بڑا دم ہے میری جان۔ وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔" مطمئن سی مسکراتے ہوئے اس نے ایک بار پھر ہاتھ میں پکڑے کاغذ کی طرف دیکھا۔

"چلو نوفل جاہ اب اپنا گھر بچانے کی تیاری کرو۔ میں تمہارے خواب نگر کا ہر خواب بکھیرنے آ رہی ہوں۔" نوفل کے ہیولے پہ نظریں گاڑے وہ کھلکھلا کے ہنسی تھی۔ اور پھر ہنستی چلی گئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼